باسمہ تعالیٰ

ریڈیو، ٹیلی فون، لاؤڈ اسپیکر اور دوسرے

آلات جدیدہ کے شرعی احکام

آلاتِ جدیدہ :- لاؤڈ اسپیکر، گراموفون، فوٹوگرافی، سینما، انجکشن، ریڈیو، ہوائی جہاز وغیرہ اور مریض کے بدن میں انسانی خون کے استعمال وغیرہ سے متعلقہ شرعی احکام مع دلائلِ شرعیہ بیان کیئے گئے ہیں

رشحۂ قلم

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی

سابق مفتی دارالعلوم دیوبند

ناشر

کتب خانہ قاسمی، دیوبند ضلع سہارنپور یوپی

زیرِ نظر کتاب کے جملہ حقوق طبع و نشر مندرجہ ذیل مکتوب کے ذریعہ مصنف علام حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ سے ہندوستان میں کتب خانہ قاسمی دیوبند کے لیئے باقاعدہ حاصل کیئے گئے ہیں کوئی صاحب کتاب "آلاتِ جدیدہ" کو ہندوستان میں شائع کرنے کا قصد نہ فرمائیں۔

اقتباس مکتوب حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ العالی صدر دار العلوم لانڈھی کراچی ۲۰

مؤرخہ ۸ محرم ۸۳ھ

برخوردار عزیز محترم محمد اسلم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! احقر حج کو گیا ہوا تھا واپسی پر آپ کا عنایت نامہ نورِ نظر ہوا۔ احقر کے رسالہ "آلاتِ جدیدہ" کی اشاعت کے سلسلے میں جو استفسار فرمایا ہے، آپ کے لیئے بڑی خوشی کے ساتھ اجازت ہے۔ اور اس طرف اشاعت فرمادیں کیونکہ اس میں شبہ نہیں کہ ان دونوں ہی ملکوں میں ایک طرف کی کتابوں سے دوسری طرف استفادہ مشکل ہو گیا ہے۔

والد محترم حضرت مولانا محمد طیب صاحب کی خدمت میں احقر کا سلام اور درخواستِ دُعا عرض کر دیں۔ والسلام

بندہ

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

فہرست مضامین آلاتِ جدیدہ

پیش لفظ

یہ دور سائنس اور ترقیات کا دور ہے جس نے زندگی کے ہر شعبہ میں مشینی نظام رائج کرکے ایک نیا معاشرہ برپا کیا ہے اور انسان کو اس کی ضروریات کے باب میں ایسی سہولتوں سے روشناس کرایا ہے جو آج سے پہلے نا قابل تصور تھیں۔ ان ایجادات سے لوگ دنیاوی معاملات میں استفادہ کر رہے ہیں اس لیئے کہ ان کا موضوع بھی یہی ہے لیکن وقت کے ساتھ یہ مشینی نظام عمومیت اختیار کرتا جا رہا ہے جس کے نتیجہ میں بہت سے شرعی مسائل میں بھی غور و تحقیق کی ضرورت پیش آرہی ہے کہ آیا شرعیات کے میدان میں ان آلات کا استعمال مباح ہوگا یا اس باب میں یہ ترقیات نا قابلِ استفادہ سمجھی جائیں گی۔ زبانِ پیغمبر علیہ السلام نے ہر شعبۂ حیات میں مشروع طریقے اصولی طور پر پیش کر دیئے ہیں اس لیئے آج جب نئے نئے وسائل سامنے آئے تو ان سے قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ ان شرعی اصولوں کی روشنی میں یہ وسائل کس درجے کے شمار کیئے جائیں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام جیسے ہم آہنگ فطرت مذہب میں اتنے اہم مادی وسائل کو قطعًا نا قابلِ استفادہ قرار نہیں دیا جا سکتا البتہ اصول شریعت کی روشنی میں ان وسائل کے مشروط اور محتاط استعمال کی راہیں نکالنے کے لیئے اس سلسلے میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ مذاہب عالم میں اسلام کی یہ ایک خصوصیت اور امتیاز ہے کہ اس شریعت نے ایک طرف مکروہات کو مطلقاً غیر مباح ٹھہرا کر نا قابلِ استعمال قرار نہیں دیا بلکہ اس کے ساتھ اس کی حسی یا معنوی کراہت کو ظاہر کر کے قلوب کو اس سے متنفر کیا ہے اور دوسری طرف مباح چیزوں کے متعلق بھی علی الاطلاق جواز کا اعلان نہیں کر دیا بلکہ ان سے استفادہ کے لیئے کچھ حدود متعین کر دی ہیں کیونکہ بجائے خود

کوئی چیز بھی اپنی اصل کے لحاظ سے نہ محبوب ہے اور نہ غیر محبوب بلکہ درحقیقت جو چیز محبوب ہے وہ اطاعت اور پابندی احکام ہے حتیٰ کہ عبادات تک میں جو عمل ایک وقت میں نہ صرف مباح بلکہ فرض ہے وہی دوسرے وقت میں نہ صرف غیر مباح بلکہ حرام ہے۔ چنانچہ اصولِ اطاعت پیشِ نظر رہے تو ساری زندگی مستقل عبادت بن سکتی ہے۔ اسی لیے اس اصول کے پیشِ نظر کسی بھی چیز کے استفادہ سے قبل اصولی طور پر ان حدود کو تلاش کیا جائے گا جو اس عمل کو اطاعت کے دائرے میں لاتی ہیں۔ آج کی سائنسی ایجادات میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو ان اصولوں کے دائرے سے باہر ہو جنھیں شریعت نے کسی چیز کے مباح یا غیر مباح ہونے کے متعلق قائم کیا ہے۔ اسی لیے شریعتِ اسلام کے اصولوں کی جامعیت کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ وہ ہر دور کی ضرورتوں اور مشاغل کو محیط ہیں اور ان ہی اصولوں کی روشنی میں ہر دور کے مقتضیات اور ان کی حیثیتوں کے متعلق فیصلے کیے جائیں گے۔

زیر نظر کتاب "آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام" میں حضرت مصنف مدظلہ نے موجودہ مشینی تحقیقات کے استعمال پر اسی رخ سے بحث فرمائی ہے جس کے بعد یہ پہلو بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ شرعی طور پر سائنسی تحقیقات سے کس حد تک استفادہ ممکن ہے

(مولانا) محمد اسلم قاسمی رمزی

مقدّمہ

از مصنف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ رسالہ پہلی مرتبہ ۱۳۵۷ھ ہجری میں شائع ہوا تھا جبکہ نہ آلہ مکبّر الصوت کے استعمال میں ابتلاء عام تھا اور نہ اس کی حقیقت کا پورا انکشاف ہوا تھا۔ اس میں اس آلہ کے نماز میں استعمال کی ممانعت کے ساتھ یہ بھی لکھا گیا تھا کہ جو نماز اس کی مدد سے ادا کی جائے وہ نماز فاسد ہے۔ اُس وقت بھی بعض اکابر علماء نے فساد نماز کے حکم سے اختلاف کیا تھا۔ مگر حکم فساد میں ایک احتیاط کا پہلو تھا اس لیے فوری طور پر اس معاملہ میں زیادہ بحث و نظر کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ اس کے بعد جب اس کا استعمال دنیا کی عام مساجد میں بالخصوص حرمین محترمین میں ہونے لگا اور حجاج و زائرین کو ابتلاء شدید پیش آیا تو اطرافِ عالم کے سوالات اور تقاضوں سے اس کی ضرورت شدید ہوتی چلی گئی کہ اس پر مکرر غور و فکر اور بحث و نظر کرکے اگر اصول فقہیہ کے ماتحت کوئی گنجائش نکلتی ہے تو عام مسلمانوں کی نمازوں کو فاسد کہنے کے بجائے رخصت و گنجائش سے کام لیا جائے۔ چنانچہ استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرّہٗ اور احقر ناکارہ نے مسئلہ کے ہر پہلو پر اپنی مقدرت و بصیرت کی حد تک دوبارہ غور کیا۔ اس میں ایک پہلو یہ بھی تھا کہ اس آلہ کی آواز متکلم کی اصلی آواز ہے یا اُس کا عکس

اور شبیہ۔ اور چوں کہ اس مسئلہ کا تعلق سائنس جدید سے تھا پہلی مرتبہ بھی مسئلہ کا حکم لکھنے کے وقت اس معاملہ کی تحقیق اُس وقت کے محدود وسائل کی حد تک کر لی گئی تھی۔ اس وقت پاکستان میں اس تحقیق کے زیادہ مواقع فراہم تھے اُن سے بھی کام لیا گیا۔ جدید تحقیقات کے نتیجہ میں یہ ظاہر ہوا کہ مکبر الصوت سے سنی ہوئی آواز متکلم کی اصلی آواز ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے فسادِ نماز کے حکم کی اصل بنیاد ہی منہدم ہو گئی۔ اس کے علاوہ دوسری فقہی وجوہ ایسی بھی سامنے آئیں کہ اگر یہ اصلی آواز نہ ہو بلکہ مصنوعی ہو تب بھی فسادِ نماز کا حکم نہیں ہونا چاہیئے۔

احقر نے ان نئی تحقیقات اور دوسری وجوہ فقہیہ کے ساتھ اپنے رسالہ کو دوبارہ ترتیب دیا اور اس کا مسودہ دارالعلوم دیوبند۔ مظاہر علوم سہارنپور۔ خیر المدارس ملتان وغیرہ اہم مدارس اسلامیہ میں حضرات علماء کے غور و فکر اور استصواب رائے کے لیئے بھیجدیا۔ ان سب حضرات نے جزوی اختلافات کے ساتھ اصل مسئلہ عدم فساد نماز میں اتفاق ظاہر فرمایا تو بنام خدا تعالیٰ یہ رسالہ سنہ ۱۳۷۲ھ میں شائع کر دیا گیا۔

اس کی اشاعت کے بعد ہندوستان و پاکستان سے بعض علماء کی ایسی تحریریں وصول ہوئیں جن میں مکبر الصوت کی آواز کو متکلم کی آواز سے غیر ایک مصنوعی آواز ثابت کیا گیا تھا۔ میرے رسالہ میں عدم کا حکم اگرچہ اس پر موقوف نہ تھا بلکہ دوسری وجوہ فقہیہ بھی لکھی تھیں جن کی رو سے غیر آواز متکلم ہونے کی صورت میں بھی فساد نماز کا حکم نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن اُس وقت حکم فساد کی بنیاد ہی منہدم سمجھ کر اُن وجوہ فقہیہ پر تفصیلی بحث کی ضرورت نہ سمجھی گئی تھی۔ اب جبکہ بعض علماء نے اختلاف کا اظہار فرمایا خصوصاً حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب نے ہری پور ہزارہ سے خاص ماہرین صوتیات کی ایک مفصل تحریر ارسال فرمائی جس میں اس کا مصنوعی آواز ہونا ثابت کیا گیا ہے جس کو آخر رسالہ ضمیمہ ثانیہ میں پورا نقل کر دیا گیا ہے۔ نیز احقر کی لکھی ہوئی وجوہ فقہیہ پر بھی تنقید

فرمائی اس لیے ضرورت پیش آئی کہ ان جزئیات پر تفصیلی بحث کی جائے۔ احقر نے اپنی ناچیز تحقیق و بصیرت کی حد تک اس کی تفصیل لکھکر مولانا موصوف کے پاس بھیجدی۔ اس پر مولانا موصوف نے استدراک تحریر فرمایا۔ احقر نے مولانا کی تنقیدات سابقہ اور استدراک لاحق کا بغور مطالعہ کیا جس سے کئی جگہ اپنی فروگذاشت یا غلطی کا علم ہوا اور کہیں کہیں عبارت کے اجمال و ابہام سے شبہات پیدا ہوئے تھے۔ احقر نے مولانا موصوف کے شکریہ کے ساتھ ان اغلاط و اجمال کی اصلاح اصل رسالہ میں کردی مگر ان میں سے اکثر لفظی اور جزوی مناقشات تھے جن کا اثر اصل مسئلہ پر کچھ نہ تھا۔

بہر حال نفس مسئلہ میں اب بھی میری رائے نہیں بدلی۔ مزید احتیاط کے لیے احقر نے اپنی تحریر اور مولانا موصوف کی تمام تنقیدات اپنے دارالعلوم کراچی کے ایک ماہر فن محقق مدرس مولانا مفتی رشید احمد صاحب کے سپرد کردی کہ سب پر غور کرکے مجھے رائے دیں۔ مولانا رشید احمد صاحب نے بھی چند جگہ لفظی تنقیدات تو تحریر فرمائی جن کی اصلاح کردی گئی مگر اصل مسئلہ میں اُن کی رائے بھی احقر سے متفق اور وہی رہی جو رسالہ مذکورہ میں شائع کی گئی تھی جس کا خلاصہ یہ ہے :۔

”نماز میں آلہ مکبر الصوت کے استعمال میں بہت سے مفاسد ہیں اس لیے اُس سے اجتناب کیا جائے اور سنت کے سیدھے سادے طریقہ پر آواز کو دُور تک پہنچانے کے لیے مکبّرین کا انتظام کیا جائے۔ لیکن اگر کسی جگہ آلہ مکبر الصوت پر نماز ادا کرلی گئی تو نماز فاسد واجب الاعادہ نہیں ہے۔ اور استعمال کرنے والوں کو کم از کم یہ لازم ہے کہ مکبّرین کا پورا انتظام رکھیں کیونکہ علماء کی ایک جماعت اس کو مفسد نماز قرار دیتی ہے اُن کے خلاف سے خروج کی فکر کرنا چاہیئے۔“

اس لیے اپنی قدرت و استطاعت کی حد تک بحث و نظر کرکے اب بھی احقر کی

آخری رائے یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ اور مولانا قاضی شمس الدین صاحب کا شکرگذار ہوں کہ اپنی بصیرت افروز تحریرات سے بہت سی مفید معلومات عطا فرمائیں۔ آپ کی رسالہ تحقیق متعلقہ آواز مکبر الصوت کو ضمیمہ ثانیہ کا جز بنا کر مکمل شائع کیا جاتا ہے۔ اور لفظی یا جزوی مناقشات اور اُن کے جوابات کو بخوف تطویل رسالہ کا جز نہیں بنایا گیا۔

واللہ المستعان و علیہ التکلان۔

اللھم اَرِنا الحق حقًّا وارزقنا اتباعہ واَرِنا الباطِل باطلًا وارزقنا اجتنابہ

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ یوم عرفہ سنہ ۱۳۸۱ھ

اکابر علماء امّت کی رائیں

از دارالعلوم دیوبند

حامدًا و مصلیًا! آلہ مکبر الصوت کو نمازوں میں استعمال کرنے کے بارے میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی مفصل و مدلل تحریر دارالعلوم میں موصول ہوئی جو دارالعلوم کے علماء و اساتذہ کی ایک مجلس میں پڑھ کر سنائی گئی۔ مجیب لبیب نے اس آلہ کے نماز میں استعمال کے بارے میں بنظر فقہی جو تحقیق کی ہے اور احتیاط کے دقیق پہلوؤں کی رعایت رکھ کر مسئلہ کا جو تصفیہ کیا ہے وہ باعتبار اصول و جزئیات فقہیہ صحیح اور درست ہے، موجودہ حالات و واقعات اور علماء عصر کے اقوال و مباحث نیز سائنسدانوں کی آراء و تحقیقات کی روشنی میں یہ ایک معتدل اور متوسط فیصلہ ہے کہ نمازوں میں اس آلہ کے استعمال سے (ان مفاسد کی بناء پر جن کو اس تحریر میں نہایت وضاحت اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے) احتراز کیا جائے کہ اس کا استعمال کراہت سے خالی نہیں ہے، لیکن

اگر کسی اتفاقی یا مجبور کن صورت میں ایسی جگہ نمازوں میں شرکت کی نوبت آجائے جہاں نمازوں میں اس آلہ کا استعمال ہو رہا ہو تو پھر ان اصول و قواعد فقہیہ کی رُو سے جن کی تفصیل خوبی کے ساتھ تحریر ہذا میں کی گئی ہے، نماز کے فساد کا حکم نہ کیا جائے گا اور اس کے اعادہ کی ضرورت نہ ہوگی جب تک کوئی امر موجب فساد و اعادہ متحقق نہ ہو، فللّٰہ المجیب وجزاہ اللہ عنا عن جمیع المسلمین خیر الجزاء واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ السید مہدی حسن غفرلہ مفتی دار العلوم دیوبند

الجواب صحیح ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ محمد طیب غفرلہ مدیر دار العلوم دیوبند

احقر سید مبارک علی نائب مدیر دار العلوم دیوبند۔

جواب درست ہے محمد ابراہیم غفرلہٗ۔

لاؤڈ اسپیکر کا استعمال موجودہ زمانہ میں اہم مسائل میں سے ہو گیا ہے، اور اس کے متعلق علماء زمانہ کی مختلف آرا شائع ہوتی رہتی ہیں اور چونکہ اس کا زیادہ تعلق نماز سے ہے، اس لیئے یہ اختلاف مسلمانوں کے لیئے زیادہ موجب تشویش ہے۔ جناب محترم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اس کے متعلق مفصل اور مفید رسالہ لکھا ہے، میں نے اس کو من اولہ الی آخرہ سنا اور مجیب لبیب کو صمیم قلب سے دعائیں دیں، خدا کرے کہ مصنف علامہ کے اور رسائل کی طرح یہ رسالہ بھی خواص وعوام دونوں کے لیئے مفید، اور عند اللہ مقبول ہو، آمین، محمد اعزاز علی امروہوی

الجواب صحیح بندہ سید حسن عفی عنہ مدرس دار العلوم دیوبند۔

باسمہٖ تعالیٰ، مخدومنا العلام مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کا رسالہ بابت آلہ مکبر الصوت من اولہ الی آخرہ سنا، اور حضرت مفتی اعظم دار العلوم کے تصویب کے الفاظ بھی دیکھے، یہ احقر بھی حضرات اکابر کی رائے سے اتفاق کرتا ہے۔ فقط

فخر الحسن مدرس دار العلوم دیوبند۔

از مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور

مکرمی محترمی دام مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘ !

(۱) آپ کا رسالہ تمام اکابر مدرسہ نے شروع سے اخیر تک پورا سنا، اہل سائنس اور دیگر علماء کی آراء بھی سامنے آئیں۔ اس ”لاؤڈ اسپیکر“ پر نماز کا فساد اس پر موقوف ہے کہ یہ متکلم کی عین آواز نہیں ہے، اگر اس فن کے اکثر قابل اعتماد ماہرین کی یہ رائے ہے کہ یہ عین آواز ہے تو نماز اس پر ہو جائے گی، مگر اس کا استعمال نماز میں اُن عوارض کی وجہ سے جن کو آپ نے مفصل بیان فرمایا ہے ناجائز ہی رہے گا۔

(۲) آپ نے لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو متکلم کی آواز نہ مانتے ہوئے جو جواز نماز [illegible] بحث فرمائی ہے، اس کے دلائل ونظائر ہماری نظر میں مخدوش ہیں اُن [illegible] میان نہیں ہوا، یہ بحث تفصیل کی محتاج ہے، اور آپ کے قاصد کا اس وقت [illegible] تقاضہ شدید ہے، اس لیے اس کی تفصیلات پھر کسی وقت عرض کی جاسکیں [illegible]، پہلے بھی احقر کچھ عرض کر چکا ہے۔

(۳) چونکہ علماء کی ایک جماعت کی یہ تحقیق ہے کہ [illegible] آلہ پر نماز جائز ہے، مگر ابھی تک یہ مسئلہ اتفاقی نہیں ہے، ایسی صورت میں قطعی طور پر نماز کے فساد کا حکم تو نہیں دیا جائیگا مگر نماز اہم عبادات سے ہے، اور اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، ملک العلماء بدائع میں لکھتے ہیں :-

ان الصلوٰۃ اذا ترددت بین الجواز والفساد کان الحکم بالفساد اولیٰ وان کان للجواز وجوہ وللفساد وجہ واحد لان الوجوب کان ثابتا بالیقین فلا یسقط بالشک

اس لیے حتی الوسع اس پر نماز ادا نہ کی جائے فقط واللہ اعلم۔ سعید احمد غفرلہ

مفتی مظاہر علوم سہارنپور   عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم   زکریا کاندھلوی

ویتفرع علی عبارۃ ملک العلماء ان اعادۃ الصلوٰۃ اولیٰ، محمد اسعد اللہ

خیر المدارس و قاسم العلوم

ملتان

ہم خدام مدرسہ خیر المدارس نے اس رسالہ کا اول سے آخر تک مطالعہ کیا۔ حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی نے نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کرنے کے متعلق جو رائے قائم فرمائی وہ بالکل صحیح اور مسلکِ اعتدال کے موافق ہے۔ یعنی نماز میں اس آلہ کے استعمال کو بوجہ مفاسد عدیدہ منع کا فتویٰ دیا ہے، اور یہ مفاسد ایسے ہیں جن کی واقعیت میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔ ہمارے جدید تعلیمیافتہ حضرات اکثر و بیشتر اس آلہ کے استعمال پر زیادہ اصرار کیا کرتے ہیں، وہ ذراسی سہولت اور ظاہری و سطحی نفع کے مقابلہ میں ان تمام مفاسد کو بھول جاتے ہیں، جو اس آلہ کے استعمال سے پیدا ہوتے ہیں، اور جن کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے تفصیل سے اس رسالہ میں ذکر فرمایا ہے، اسلئے ہمیں اس رائے سے پورا اتفاق ہے کہ نماز میں اس آلہ کے استعمال سے لوگوں کو منع کیا جائے تاکہ نماز کی وہ سادہ اور مسنون وضع قائم رہے جو پیغمبر اسلام ؐ کے زمانہ سے اس وقت تک چلی آرہی ہے، اور امام کی تکبیرات انتقال کا ابلاغ اسی طرح مکبرین کے ذریعہ سے ہوتا رہے جس طرح خیر القرون سے اس وقت تک ہوتا چلا آرہا ہے، لیکن بایں ہمہ حضرت مفتی صاحب نے دوسرا پہلو جو ذکر فرمایا ہے کہ اگر کسی جگہ لوگوں نے اس آلہ کا نماز میں استعمال کر دیا، تو آیا ان تمام آدمیوں کی نماز باطل و فاسد اور واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں، مسئلہ کی اس جانب پر بھی آپ نے جو رائے قائم فرمائی ہے کہ اس نماز کو فاسد نہیں کہا

جائے گا، اس سے بھی ہمیں اتفاق ہے، اور اس پر جو دلائل فقہیہ اور شواہد ماہرین سائنس کے پیش فرمائے ہیں ان کی واقعیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، ان دلائل کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایسے حضرات کی نماز فساد سے تو بچ جائے گی، لیکن نماز کی وہ وضع اور ہیئت مسنونہ جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے قائم نہ رہ سکنے کی وجہ سے ثواب اور برکات صلوٰۃ میں از حد کمی اور نقصان واقع ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم!۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ، خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان
محمد ابراہیم عفی عنہ مدرس مدرسہ خیر المدارس ملتان
محمد شریف کشمیری عفا اللہ عنہ مدرس خیر المدارس ملتان
جمال الدین غفرلہ المردانی مدرس مدرسہ خیر المدارس ملتان
محمد عبد القادر قاسمی غفرلہ ملتان
محمد حسین عفی عنہ مدرس قاسم العلوم
عبد الشکور غفرلہ
محمد شفیع غفرلہ، مہتمم مدرسہ قاسم العلوم
احقر علی محمد عفی عنہ مدرس قاسم العلوم ملتان

از حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی دامت برکاتہم

الجواب واللہ الموفق للصواب

احقر نے اس تمام تر تفصیل کو دیکھا، بعض جگہ سے تحریر پڑھی نہیں گئی، مگر مفہوم واضح تھا، بہر حال میرے نزدیک اس تحقیق کے بعد کہ آلہ مکبر الصوت میں امام کی آواز بعینہ آتی ہے، کوئی دوسری آواز یا عکس وغیرہ نہیں ہے۔ اب عدم جواز استعمال فی الصلوٰۃ کی کوئی وجہ نہیں، یہ ارشاد بھی اصول فقہ کے موافق ہے، کہ اگر یہ آواز امام کی نہ ہو بلکہ آلہ کی ہو تو چونکہ وہ فاعل مختار نہیں، اس لیے نسبت فعل اس کی طرف نہ ہوگی بلکہ اصل محرک کی طرف ہوگی، اور وہ امام ہے۔

رہا یہ شبہ کہ اس میں غلو ہے اس لیے مدفوع ہے کہ غلو وہ ہے جس میں حد سے تجاوز ہو اور جب کہ امام کی آواز سامعین کو نہ پہنچتی ہو تو ان کو آواز پہنچا دینا غلو نہیں بلکہ

تحصیل مقصود ہے، بالخصوص جب کہ تحصیل مقصود بآسانی ہو دشواری سے نہ ہو، اور ظاہر ہے کہ آلہ مکبر الصوت سے آواز کا بلند ہونا اور دور تک پہنچنا بناء محراب و بناء گنبد سے زیادہ آسان ہے۔ اور بناء محراب و بناء گنبد بلا نکیر مدت مدیدہ سے رائج ہے اور اس سے بھی رفع صوت امام مقصود ہے، کما صرح بہ الشامی فی مسئلۃ استحباب قیام الامام فی المحراب، واللہ اعلم بالصواب

(نوٹ) مگر نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال دو شرطوں سے جائز ہے، ایک یہ کہ لاؤڈ اسپیکر اعلیٰ قسم کا ہو کہ امام کو اس کی طرف منہ کرنے کی ضرورت نہ ہو، کہ توجہ الیٰ غیر اللہ مقصد صلوٰۃ کے منافی ہے، دوسرے مکبرین کا انتظام مکمل ہو تاکہ میکروفون فیل ہو جائے تو نماز میں گڑبڑ نہ ہو،

ظفر احمد تھانوی عفا اللہ عنہ، ۱۵ محرم ۱۳۶۹ھ ہجری۔

از دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو آلہ یار سندھ

ناچیز نے اس رسالہ کو لفظ بلفظ پڑھا، اب تک اس مسئلہ میں ناچیز کی رائے شدید و سخت تھی، اس رسالہ کے دیکھنے اور پڑھنے کے بعد سے اب بالکل اس تحریر سے متفق ہوں، فقط

اشفاق الرحمٰن مفتی دار العلوم ٹنڈو آلہ یار سندھ
۱۰ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ

مکتوب بقیۃ السلف حضرۃ العلامہ شیخ محمد زاہد کوثری مصریؒ

استفتاء از احقر محمد شفیع

ما قولكم رحمكم الله في الآلة الجديدة مكبر الصوت لاؤد اسپيكر، هل يجوز استعماله في خطبة الجمعة والصلوات لاستماع القراءة والتكبيرات الانتقالية وهل يسوغ للمقتدي اتباع صوته في الانتقالات

اللہ آپ پر رحمت نازل فرمائے، آلہ جدید مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں، خطبہ جمعہ اور نمازوں میں قراءۃ اور تکبیرات انتقالیہ سننے کے لیے، کیا اس کا استعمال جائز ہے اور کیا مقتدی اس کی آواز کی اتباع کرتے ہوئے انتقالات کر سکتا ہے؟

وانما نشأ السوال لوجوه

(۱) قد اختلفت اقوال المتنورين الماهرين بامثال هذه الآلات في هذا الصوت الذي يصل الى البعيد هل هو عين صوت الامام ام عكسه وشيء آخر مثل الصدى وعلى الثاني يفوت من شرائط التبليغ كون المبلغ مصليا مقتديا بالامام فكان كمن يبلغ تكبيرات الامام وهو خارج

یہ سوال متعدد وجوہ سے پیدا ہوا ہے

(۱) اس قسم کے جدید آلات کے ماہرین کا اس میں اختلاف ہے کہ آلہ مکبر الصوت کے ذریعہ جو آواز دور تک پہنچتی ہے وہ بعینہ امام کی آواز ہے، یا اس کا عکس ہے، اور آواز بازگشت کی طرح کوئی دوسری چیز ہے مؤخر الذکر صورت میں، تبلیغ کے شرائط میں سے یہ شرط فوت ہو جاتی ہے، کہ مبلغ ایسا شخص ہونا چاہیے جو امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا ہو اس صورت میں مکبر الصوت کی مثال اس شخص جیسی ہوگی جو خارج صلوٰۃ رہ کر امام

الصلوٰة وفی مثلہ حکم الفقہاء بفساد الصلوٰة کما ھو ظاھر المتون والفتاوی فی التلقن من الخارج صرح بہ فی العنایۃ وفتح القدیر

٢- الصوت الواصل الی البعید باعانۃ ھذہ الآلۃ صوت الآلۃ ام غیرہ من التدقیقات الریاضیۃ والفلسفیۃ التی لا یکاد یعرفہ الا المھرۃ فی ھذا الفن فھل علی مثلہ یدار الاحکام الشرعیۃ بعد تسلیم الغیریۃ فی الصوتین فی اصل الحقیقۃ ام یھدر ھذا الفرق الدقیق کما ھو مبنی عامۃ الاحکام الشرعیۃ فی امثال ھذہ الامور من سمت القبلۃ ورؤیۃ الھلال وغیرہ حیث لم یلتفتوا الی قول المنجمین اصحاب الاصطرلاب فی تخریج ھذہ الاشیاء بل حکم جمہور الفقہاء علی ما ھو ظاھر یعرفہ کل احد من غیر تجشم الآلات ومن غیر نظر الی التدقیقات الریاضیۃ عملاً بقولہ علیہ الصلوٰة والسلام

کی تکبیرات مقتدیوں تک پہنچا رہا ہو، اور اس قسم کی صورت میں فقہاء فساد صلوٰة کا حکم فرماتے ہیں، جیسا کہ متون اور فتاوے سے ظاہر ہے، عنایہ اور فتح القدیر میں تصریح ہے

٢- مکبر الصوت کے ذریعہ جو آواز دور تک پہنچ رہی ہے وہ بعینہ امام کی آواز ہے یا نہیں، یہ فلسفہ کی ان تدقیقات میں سے ہے جو تقریباً ماہرین فن ہی جان سکتے ہیں، لہذا امام اور مکبر الصوت کی آوازیں غیریت تسلیم کر لینے کے بعد کیا اس جیسی چیز کو احکام شرعیہ کا مدار قرار دیا جا سکتا ہے، یا اس باریک فرق کو نظر انداز کر دیا جائے گا، جیسا کہ اس قسم کے مسائل میں عام طور سے احکام شرعیہ کا مبنی ہے، جیسے سمت قبلہ، اور رویت ہلال وغیرہ کو جمہور فقہاء نے ان اشیاء کی تخریج میں منجمین اور اصحاب اصطرلاب کے اقوال کی طرف التفات کرنے کے بجائے ظاہر کے موافق حکم فرمایا ہے کہ آلات کے تتبع اور ریاضی جزرسی کی طرف التفات کئے بغیر ہر شخص اسے پہچان لے، فقہاء نے اس سلسلہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰة والسلام کے

نحن امة امية لا نكتب ولا نحسب انما الشهر هكذا هكذا وقوله صلى الله عليه وآله وسلم صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته۔

(۳) وبعد تسليم الغيرية وتسليم ان يكون مدار الحكم على هذا التدقيق الرياضي هل يفترق حكم رجل مكلف يبلغ التكبيرات وهو خارج من الصلوٰة لم يقتد بالامام وحكم هذه الآلة فان عدم دخول الانسان المكلف فى الصلوٰة من عدم الملكة وعدم دخول هذه الآلة عدم بسيط فهل يفترقان فى الحكم فان الفعل ينسب الى الواسطة اذا كان مكلفا مميزا واما اذا كان واسطة الفعل شيئا غير ذى شعور فلا ينسب الفعل الى الواسطة بل الى الاصل المحرك كما يرى شيمن

اس قول پر عمل فرمایا ہے کہ "ہم ناخواندہ امت ہیں نہ ہم لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں الخ" اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ "چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو"

(۳) اگر غیریت کو تسلیم کیا جائے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ریاضی کی موشگافی پر حکم کا مدار ہوگا تو کیا ایسے مکلف شخص کے حکم میں جو خارج صلوٰۃ رہ کر امام کی اقتدار نہ کرتے ہوئے امام کی تکبیرات پہنچا رہا ہو، اور اس آلہ کے حکم میں فرق ہوگا، اس لیے کہ مکلف انسان کا نماز میں داخل نہ ہونا تو عدم ملکہ کی قسم سے ہے، اور اس آلہ کا عدم دخول عدم بسیط ہے، تو کیا ان دونوں کے حکم میں کوئی تفریق ہوگی، جبکہ فقہ کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ واسطۂ فعل اگر کوئی ذی شعور مکلف انسان ہوتا ہے تو فعل اس واسطہ کی طرف منسوب ہوتا ہے، اور اگر واسطۂ فعل کوئی غیر ذی شعور چیز ہو تو فعل واسطہ کی طرف منسوب نہیں ہوتا، بلکہ اصل محرک کی طرف منسوب ہوتا

قتل رجلاً بسيف او رمح او بندق
فان القاتل لا يعد الا الانسان
المحرك لهذه الوسائط فلا يعد
المبلغ الا الامام فی مسئلتنا،

(۴) وربما يختلج فی الصدر
ان استعمال هذه الآلة فی
الصلوٰة لاستماع القراءة و
التكبيرات من الغلو فی العبادة
الذی لم يكلف الله تعالیٰ
به عباده رفقا بهم عن تجشم
هذه التكلفات التی لا تكاد تحصل
فی عامة البلاد والقری فهل هذا
من الغلو المذموم ام من بذل الجهد
المستطاع فی المطلوبات الشرعية۔

(۵) وقد يظن ان استعمال
امثال هذه الآلات فی العبادات
يضاهی بالتلهی والتلعب فهل
هذا الظن فی محله،

(۶) ومن قائل يقول ان
استعماله يخالف قوله تعالیٰ
لا تجهر بصلوٰتك ولا

ہے جیسے کوئی شخص تلوار، نیزے یا بندوق
سے کسی شخص کو قتل کردے تو ان وسائط
کے اصل محرک ہی کو قاتل کہا جائے گا، لہذا
مسئلہ زیر بحث میں مبلغ دراصل امام ہی ہوگا،

(۴) بسا اوقات دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے
کہ قرأت اور تکبیرات سننے کے لیے نماز
میں اس کا استعمال غلو فی العبادات ہے،
کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بنظر سہولت
اس کا مکلف نہیں فرمایا تاکہ انھیں اس قسم
کے تکلفات کی زحمت نہ ہو جو عام طور سے
ہر شہر اور ہر قصبہ میں میسر نہیں آسکتے، کیا اُسے
غلو مذموم کہیں گے یا اُن چیزوں میں جو شرعاً
مطلوب ہیں حسب استطاعت کوشش
کرنا کہا جائے گا۔

(۵) کبھی یہ گمان ہوتا ہے کہ اس قسم کے
آلات کا نماز میں استعمال کرنا لہو ولعب
کی سی کیفیت پیدا کردیتا ہے، کیا یہ گمان
برمحل ہے؟۔

(۶) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا استعمال
اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مخالف ہے
"نہ اپنی نماز زیادہ زور سے پڑھو اور نہ

تخافت بها وابتغ بین ذلك سبیلا، فهل له وجه والصلوٰة والسّلام علیٰ سید الانبیاء وآله وصحبه

زیادہ آہستہ درمیانی راستہ اختیار کرو"۔ کیا یہ فرمان خداوندی ان کی دلیل بن سکتا ہے، اللہ تعالیٰ سید الانبیاءؐ اور آپؐ کے آل واصحاب پر صلوٰۃ وسلام نازل فرمائے،

العبد الضعیف محمد شفیع الدیوبندی
۲۳ر ذی الحجۃ سنہ ۱۳۶۸ھ

عبد ضعیف محمد شفیع دیوبندی
۲۳ر ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ

الجواب

من العلامة الشیخ محمد زاهد الکوثری المصری رحمة الله علیه ؎

(خط کے تمہیدی مضمون کے بعد تحریر فرمایا ہے)

واما الاستفتاء فانت بن بجدة الفتویٰ وقد طالت ممارستکم حتی اصبحت فقیه النفس بالمعنی الصحیح وملاحظاتکم المرقعة فی غایة

لیکن (آلہ مکبر الصوت کے استعمال کے متعلق) استفتاء تو آپ خود فتویٰ کے ماہر اور محقق ہیں، آپ کا تجربہ اس میں طویل ہے، یہاں تک کہ آپ صحیح معنی میں فقیہ النفس ہیں، آپ کی تحریرات ایک خاص

؎ علامہ موصوف اس قرن کے مسلم ومعروف مشائخ میں سے ایک متبحر عالم تھے، آپ کی تصانیف آپ کے تبحر علمی اور رزانت علمی پر شاہد ہیں، آپ مصر کے حنفی المذہب متبع سنت بزرگ تھے، افسوس ہے کہ اس تحریر کے کچھ عرصہ بعد یہ یادگار سلف بھی دنیا سے رخصت ہوئی، غفر اللہ لہ ونور ضریحہ، اناللہ وانا الیہ راجعون ۱۲ محمد شفیع غفرلہ۔

الوجاهة فمهما كان رفع النداء
ونداوة الصوت مطلوبين
في الآثار فالمكبر يحقق كمال
رفع الصوت المحقق للتبليغ
الكامل فلا يبقى هناك
محظور في استعمال المكبر كما هو
نتيجة ملاحظات التمهيدية
فالاعتراف بالنتيجة بعد تسليم
المقدمتين الصغرى والكبرى
ضروري الا اني لا اتقدم بتوقيع
فتوى وارى ان يكون هذا اجتراءً
ازاء براعتكم الفقهية
فادعو الله عز وجل ان
يوفقني واياكم لما فيه
رضاه ويطول بقاءكم
في خير وعافية ؛
محمد زاهد الكوثري
بشارع العباسية بالقاهرة
محرم الحرام سنة ۱۳۶۹ھ رقم ۱۰۴

شان رکھتی ہیں، پھر جب کہ آواز کا بلند
کرنا اور دور تک پہنچانا از روئے
روایات مطلوب ہے تو آلہ مکبر الصوت
اس مطلوب کو حاصل کر دیتا ہے اس
لئے یہاں کوئی مانع شرعی مکبر الصوت کے
استعمال میں نہیں ہے، جیسا کہ آپ کی
تمہیدی عبارات کا نتیجہ بھی یہی ہے، کیونکہ
قیاس کے دو مقدمے صغریٰ اور کبریٰ
تسلیم کر لینے کے بعد نتیجہ کا اعتراف کرنا
ایک بدیہی امر ہے، مگر میں فتوے
لکھنے کی ہمت نہیں کرتا، کیونکہ آپ کی مہارت
کے مقابلہ میں ایک جرأت ہوگی، میں
اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے
اور آپ کو ان کاموں کی توفیق دے جو
اس کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور آپ
کی حیات کو خیر و عافیت کے ساتھ
دراز فرمائے،

محمد زاہد الکوثری، شارع عباسیہ قاہرہ
نمبر ۱۰۴ محرم الحرام ۱۳۶۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصطفیٰ

اَمَّا بَعْدُ

ایجاداتِ جدیدہ کی مذہبی حیثیت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا الم تر ان اللہ سخر لکم ما فی الارض والفلک تجری فی البحر بامرہ ویمسک السماء اَنْ تقع علی الارض اِلّا باذنہ

وہ ذات پاک ایسی ہے کہ جس نے پیدا کیا تمہارے فائدہ کے لیے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب، کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے کام میں لگا رکھا ہے زمین کی چیزوں کو اور کشتی کو کہ وہ دریا میں اس کے حکم سے چلتی ہے اور وہی آسمانوں کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے ہاں اگر اس کا حکم ہو جائے تو خیر۔

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السمٰوٰتِ وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃ وباطنۃ؛

کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہیں اور اس نے تمہارے اوپر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کر رکھی ہیں۔!

آیاتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ یہ جہان جس میں انسان بھی آباد ہے، اور کروڑوں

قسم کے بحری اور برّی جانور بھی ہیں، اور جس میں آفتاب و ماہتاب وغیرہ سیارات کی گردش بھی ہے، اور تمام فلکیات کا ایک مضبوط و محکم نظام بھی، برق و باراں کے پرکیف و نفع بخش سماں بھی ہیں اور عناصر کے عجیب و غریب تطورات و انقلابات بھی، کائناتِ عالم میں نباتات وجمادات وغیرہ کے دل فریب مناظر بھی ہیں اور پہاڑوں اور دریاؤں کے محیر العقول مناظر بھی، لیکن ان سب چیزوں کی بادشاہت مالک الملک والملکوت نے اس ضعیف البنیان انسان ہی کو سپرد فرمائی ہے، آسمان و زمین کی کل کائنات، اجرام فلکیہ اور عناصر کی کل طاقتیں اس کی خدمت کے لیئے مسخر اور وقف ہیں، بحر و بر کے کل جانور بلا واسطہ یا بواسطہ اسی کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، تاکہ یہ تمام کائنات پر حکمرانی کرنے والا ضعیف البنیان ذرا تامل اور فکر کرے تو اسے محسوس و مشاہد ہو جائے کہ میں ان تمام کائنات کا خالق و مالک نہیں، اور محض اپنی طاقت و قوت سے ان سب کو مسخر کر کے ان سب سے خدمت لے لینا میرے بس کی بات نہیں، اس کے سوا کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں ہو سکتا، کہ مالک الملک والملکوت ہی نے ان سب چیزوں کو میرا مسخر اور خدمتگار بنا دیا ہے،

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ،	کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان کے لیئے چوپائے جانور پیدا کیئے جو ہمارے ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں، پھر یہ لوگ (بعطائے خداوندی) اُن کے مالک بن گئے (اور مالک بن کر بھی اُن سے کام لینا انسان کے بس میں

نہ تھا، ہم نے ان کو انسان کا تابع فرمان بنا دیا سو یہ اُن پر سوار بھی ہوتے ہیں اور اُن کو

(ذبح کر کے، کھاتے بھی ہیں!۔

اور جب اس نے یہ سمجھ لیا تو لازمی طور پر اس کا ذہن ادھر منتقل ہونا چاہیئے کہ خالق و مالک جل وعلا شانہ نے ان سب چیزوں کو میرے لیئے بنایا ہے تو مجھے بھی ضرور کسی کام کے لیئے بنایا ہوگا، یہ نہیں ہوسکتا کہ ساری کائنات کی قوتیں جس کی خدمت میں لگادی گئی ہیں وہ بیکار پیدا کیا گیا ہو،

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ، — کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمھیں بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہ آؤ گے۔

اور یہی[1] وہ منزل ہے جہاں ایک بھٹکا ہوا انسان راہ پر لگ جاتا ہے اور مخلوق کا رشتہ خالق سے جڑ جاتا ہے، وہ سمجھ لیتا ہے کہ کل کائنات میرے لیئے بنائی گئی ہے تو مجھے رب العزت کی طاعت وعبادت کے لیئے بنایا گیا ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ، — ہم نے انسانوں اور جنوں کو عبادت ہی کے لیئے پیدا کیا ہے،

---

[1] عرصہ ہوا اس مضمون پر احقر نے ایک نظم لکھی تھی جس کے چند اشعار اس جگہ نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا وہ یہ ہیں:۔

یہ زمیں میرے لیئے ہے آسماں میرے لیئے
اور ہے مصروف خدمت کل جہاں میرے لیئے

حرکتِ افلاک و انجم دورِ شمسی کا نظام
چل رہا ہے دیر سے یہ کارواں میرے لیئے

ایک میرے دم سے ہے اس بزم عالم کا فروغ
وقف خدمت ہے یہ سب کون و مکاں میرے لیئے

میری ہستی میں ہے مضمر ہستیٔ عالم کا راز
ہے یہ سب ایجاد و شورِ کن فکاں میرے لیئے

کیوں نہ ہو روز ازل میں ہو چکی تقسیم کار
میں ہوں مالک کے لیئے اور دو جہاں میرے لیئے

۱۲ منہ محمد شفیع غفرلہٗ۔

اس طرح تمام ایجادات عالم ایک بصیر انسان کے لیئے آئینۂ حقیقت اور درسِ عبرت بن سکتی ہے، حضرت سعدی رح نے اسی کو فرمایا ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری،

اس لیئے حق سبحانہ، وتعالیٰ نے انسان کے لیئے خام مواد ہی پیدا نہیں کیئے بلکہ اس کو اُن سے کام لینے اور اُن کے ذریعہ اپنی ضروریات اور استعمال کی چیزیں ایجاد کرنے کا سلیقہ بھی عطاء فرمایا، سائنس قدیم ہو یا جدید وہ اسی سلیقہ کا دوسرا نام ہے ظاہر ہے کہ کوئی سائنس کسی چیز کی تخلیق نہیں کرتی بلکہ اُس کا کام اتنا ہی ہے کہ رب العزت کی پیدا کی ہوئی چیزوں کا صحیح اور مناسب حال استعمال کرنا بتلادے۔

آدم علیہ السلام کے زمین پر اترنے کے ساتھ ہی انسان کی بنیادی ضرورتوں سے متعلق ایجادات کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا، اور جوں جوں ان کی نسل پھیلتی اور زمین کی آبادی بڑھتی گئی، نئی نئی ضرورتیں سامنے آتی رہیں، اور اُن کے متعلق ایجادات ہوتی رہیں، یہاں تک کہ جب دنیا کی آبادی اپنی انتہائی کثرت و وسعت کے قریب پہنچی تو ضرورتیں بھی طوفان کی طرح بڑھیں، اور ایجادات و مصنوعات کا سلسلہ بھی اپنے کمال کو پہنچنے لگا، یہ ایک فطری تقاضہ ہے جو اپنی طبعی رفتار سے آگے بڑھتا رہا، اسی کو یورپ کے کسی حکیم نے ان الفاظ سے بیان کیا

"ضرورت ایجاد کی ماں ہے"

اس میں نہ پچھلے لوگوں کی بے وقوفی یا بے علمی کی کوئی دلیل ہے، نہ موجودہ صناعوں کے کمالِ عقل و دانش پر کوئی شاہد، آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے نے جس طرح چاہا اپنی غیر متناہی اور غیبی خزانوں سے انسانی ضروریات بقدر ضرورت نازل فرمائیں۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں مگر ہم

خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ،
ان میں سے (بتقاضائے حکمت) ایک خاص مقدار اُتارتے ہیں۔

اسی طرح زمین اور عناصر اربعہ میں جو جو قوتیں ودیعت رکھی تھیں، اُن کو بھی حسب ضرورت اپنے اپنے وقت میں ایک خاص حکمت کے ماتحت انسانی صنعت گری کے پردے سے ظاہر فرمایا،

ایک بصیر انسان جو تعلیم قرآنی کے موافق آسمان و زمین اور ان کی مخلوقات پر گہری نظر ڈالے تو بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے:۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ، اے ہمارے پروردگار آپ نے یہ چیزیں فضول نہیں پیدا فرمائیں

اور اس کو اس یقین کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ جس طرح آسمان و زمین اور عناصر اربعہ سے بننے والی کروڑوں مخلوقات دستِ قدرت کی بلا واسطہ مصنوعات ہیں، اسی طرح وہ چیزیں جن کو انسان اپنی مصنوعات سمجھتا ہے درحقیقت وہ بھی ایک واسطہ اور پردہ کے ساتھ اسی بدیع السمٰوات والارض کی صنعت گری کا نتیجہ ہیں ؎

کارِ زلفِ تست مشک افشانی اما عاشقاں :: مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

ایں قدر مستی و بیہوشی نہ حدِ بادہ بود :: با حریفاں آنچہ کرد آں نرگسِ مستانہ کرد

الغرض کائنات عالم کی تمام مخلوقات و مصنوعات اور قدیم و جدید ایجادات حق جل و علا شانہ کی نعمائے عظیمہ اور آئینہ جمال قدرت ہیں، دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان چاہئیں،

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ،
ہم نے جتنی چیزیں زمین پر ہیں اُن کو زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم انسانوں کی آزمائش کریں کہ کون اچھے عمل کرتا ہے۔

ان آیاتِ قدرت اور عظیم الشان نشانیوں کو نظرِ حقیقت شناس سے دیکھنا ایمان کا پہلا قدم ہے، اسی لیئے قرآنِ حکیم میں بار بار مختلف عنوانات سے اس پر تنبیہ فرمائی گئی ہے، اور اکابر سلف نے لپنے لپنے طرز میں اس کو بیان فرمایا ہے،

حضرت مولوی معنوی مولانا رومی رحہ فرماتے ہیں ؎

شکر از نے میوہ از چوب آوری　　از منی مردہ بتے خوب آوری

درمیان خوں در ودہ فہم وعقل　　کے تواند کرد جز فضلِ تو نقل

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مصنوعات وایجادات، قدیم ہوں یا جدید جن سے انسان کی معاشی فلاح کا تعلق ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتیں ہیں جو انسان کو عطا ہوئی ہیں، عاقل انسان کا کام یہ ہے کہ ان نعمہائے الٰہیہ سے فائدہ اٹھائے، اور اس کا شکر گذار ہو، اور ادنیٰ شکر گزاری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو اس کی نافرمانیوں اور گناہوں میں صرف نہ کرے، اور اس نکتہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے، کہ جس نے ہمیں یہ نعمتیں دی ہیں وہ ہم سے ان کا حساب بھی لے گا،

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ　　پھر قیامت کے دن تم سے نعمتوں کا سوال کیا جائے گا،،

بلکہ نعمائے الٰہیہ سے تمتع (فائدہ اٹھانا) بھی شکر گذاری کا ایک درجہ ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان میں مشغول ہو کر خود منعم کو نہ بھلا بیٹھیں، بقول اکبر ؎

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو ؛ جائز کہ غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد ؛ اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

ہمارے دانایانِ فرنگ مصنوعات وایجادات کے پیچھے پڑے تو زمین وآسمان کے قلابے ملا دیئے، مگر ٹھوکر یہاں لگی کہ یہ "روشنیٔ طبع،، ہی اُن کے لیئے "بلا،، اور جو چیز معرفتِ حق کا ذریعہ بننا چاہیئے تھی اُن کے لیئے پردہ بن گئی، مولانا جامی رحہ نے اسی لیئے

فرمایا ہے ؎

ہمہ اندر زمن ترا زین ست		کہ تو طفلی و خانہ رنگین ست

یہ لوگ برق و بھاپ کے دھندے میں لگ کر ان قوی کے خالق و مالک سے قطعاً غافل ہوگئے، بقول اکبر ؎

چھوڑ کر بیٹھا ہے یورپ آسمانی باپ کو ٭ بس خدا سمجھا ہے اس نے برق کو اور بھاپ کو

شریعت اسلام ان ایجادات و مصنوعات میں صرف یہ چاہتی ہے کہ خدا کی ان نعمتوں سے اسی کی دی ہوئی عقل کے ذریعہ نئی نئی ایجادیں کریں، معاشی آسانیاں حاصل کریں مگر دو شرطوں کے ساتھ، ایک یہ کہ اس کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی نافرمانیوں میں استعمال نہ کریں دوسرے عطا کرنیوالے منعم حقیقی کو نہ بھولیں۔

آلات و ایجادات جدیدہ کے احکام

(۱) جو آلات ناجائز اور غیر مشروع کاموں ہی کے لیے وضع کیے جائیں، جیسے آلات قدیمہ میں ستار، ڈھولکی وغیرہ اور آلات جدیدہ میں اسی قسم کے آلات لہو و طرب، ان کی ایجاد بھی ناجائز ہے، صنعت بھی، خرید فروخت بھی اور استعمال بھی

(۲) جو آلات جائز کاموں میں بھی استعمال ہوتے ہیں ناجائز میں بھی، جیسے جنگی اسلحہ کہ اسلام کی تائید و حمایت میں بھی استعمال ہو سکتے ہیں، مخالفت میں بھی، یا ٹیلیفون، تار، موٹر، ہوائی جہاز، ہر قسم کی جائز و ناجائز، عبادت و معصیت میں استعمال ہو سکتے ہیں، اُن کی ایجاد، صنعت، تجارت، جائز کاموں کی نیت سے جائز ہے اور جائز کاموں میں اُن کا استعمال بھی جائز ہے، حرام اور معصیت کی نیت سے بنایا جائے یا اُس میں استعمال کیا جائے تو حرام ہے۔

(۳) ایسے آلات جو اگرچہ جائز کاموں میں بھی استعمال ہو سکتے ہیں، لیکن عادۃً ان کو

لہو ولعب اور ناجائز کاموں ہی میں استعمال کیا جاتا ہے، جیسے گراموفون وغیرہ، ان کا استعمال ناجائز کاموں میں تو ناجائز ہے ہی، جائز کاموں میں بھی ان کا استعمال کراہت سے خالی نہیں، جیسے گراموفون میں قرآن کا ریکارڈ سننا بھی مکروہ ہے، کیونکہ یہ کام اگرچہ اپنی ذات میں جائز بلکہ موجب ثواب ہے لیکن جس آلہ کو عادۃً لہو ولعب اور طرب کے کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے، اس میں قرآن سننا، قرآن کو لہو ولعب کی صورت دینا اور ایک قسم کی بے ادبی ہے،

آلہ مکبّر الصّوت

آلات کی مذکورالصدر تین قسمیں معلوم ہونے کے بعد آلہ مکبر الصوت کا حکم معلوم کرنا کچھ دشوار نہ رہا، کیونکہ وہ ظاہر ہے کہ قسم اول میں داخل نہیں، اور اس کے عام استعمال سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وہ قسم سوم میں بھی شامل نہیں ہے، اس لیئے قسم دوم میں داخل ہونا متعین ہو گیا، یعنی وہ آلات جو جائز و ناجائز دونوں طرح کے کاموں میں مساوی طور پر استعمال کئے جاتے ہیں، اس لیئے اس کا حکم یہ ہوگا کہ جائز کاموں میں اس کا استعمال جائز اور ناجائز میں ناجائز اور طاعت کے کاموں میں طاعت، اور معصیت کے کاموں میں معصیت ہے، اگر مکبر الصوت کے ذریعہ قرآن کریم کی آیات یا اس کی تفسیر یا احکام دین یا وعظ و نصیحت یا عام مسلمانوں کے ضرورت کی کوئی چیز دور کے سامعین کو پہنچائی جائے، تو یہ جائز بلکہ موجب ثواب ہے (عبادات مقصودہ نماز وغیرہ میں اس کے استعمال کا معاملہ علیحدہ ہے جس کی مفصل تحقیق آگے آتی ہے) اور اگر اس کو گانے بجانے یا عورتوں کی آواز دور تک پہنچانے میں یا کسی غیر مشروع و ناجائز کلام کے پہنچانے میں استعمال کیا جائے تو ناجائز و گناہ ہے

ریڈیو

ریڈیو کا استعمال اگرچہ عام حکومتوں اور عوام کی بدمذاقی سے مخرب اخلاق اور غیر چیزوں میں زیادہ تر کیا جا رہا ہے، لیکن خبروں اور دوسری مفید اور جائز معلومات

بھی اس میں خاص اہمیت رکھتا ہے، اس لیئے اس کا حکم بھی وہی ہے جو قسم دوم کے آلات کا ہے، کہ جائز کاموں میں اس کا استعمال جائز، اور ناجائز کاموں میں ناجائز ہے، اور اس کی صنعت و تجارت مطلقاً جائز ہے، بشرطیکہ اپنی نیت جائز کاموں کی ہو اگرچہ خریدنے والا اس کو ناجائز میں استعمال کرے۔

مسئلہ ریڈیو پر قرآن مجید کی محض تلاوت معاوضہ لے کر جائز نہیں، اور ایسی قرأت کا سننا بھی اعانت گناہ ہے، عام آلات و ایجادات جدیدہ کے شرعی احکام اجمالاً ذکر کرنے کے بعد آلۂ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کے متعلق تفصیلی مباحث لکھے جاتے ہیں جو اس رسالہ کی اصل غرض ہے، واللہ الموفق والمعین!۔

آلۂ مُکبِّرُ الصَّوت

کے شرعی احکام

مقدمہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ آلہ ان مصنوعات میں سے ہے جو جائز اور مباح کاموں میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور ناجائز اور حرام میں بھی، اس لیئے عام حالات میں جائز کاموں کے اندر اس کا استعمال جائز اور ناجائز کاموں میں ناجائز ہے، لیکن یہ بحث ابھی باقی ہے کہ عبادات میں اس کا استعمال کیسا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے:۔

آلہ مکبر الصوت کا استعمال عبادات میں

اس مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے چند امور سمجھ لینا ضروری ہیں

(۱) عبادات دو قسم کی ہیں، ایک عباداتِ مقصودہ اصلیہ جن کی اصل وضع اور مشروعیت محض عبادت یعنی رضائے الٰہی کے لیئے ہوئی ہے، اُن پر جو آثار و ثمرات دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں وہ مقصود اصلی نہیں، بلکہ وہ خاص اعمال و افعال اور ان کے ادا کرنے کا وہ خاص طریقہ جو قرآن و حدیث میں منقول ہے اور ان کی خاص ہیئت و صورت جو سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ خود مقصود ہے، اگر ان اعمال و افعال کے جو خواص و ثمرات ہیں وہ کسی دوسرے ذریعے سے حاصل ہو جائیں، تب بھی اُن اعمال کا ترک جائز نہیں، اور اعمال کرنے پر بالفرض وہ آثار مرتب نہ ہوں تو بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اعمال ضائع ہو گئے، مثلاً روزہ کا مشہور فائدہ انسان کی بہیمی قوت کو توڑنا ہے، اگر کسی کو بلا روزہ یہ کیفیت حاصل ہو جائے تب بھی روزہ

اس پر بدستور فرض رہے گا، اذان کی اصلی غرض محلّہ والوں کو نماز کے لیے جمع کرنا ہے، لیکن اگر کسی موقع پر سارے اہل محلہ مسجد میں موجود ہوں پھر بھی اذان کا چھوڑ دینا جائز نہیں، اسی طرح خطبۂ جمعہ کا مشہور فائدہ مسلمانوں کو احکام شرعیہ کی تعلیم و تذکیر ہے لیکن اگر کسی مجمع میں سب علماء وفقہاء ہی ہوں جن کو سب احکام معلوم بھی ہوں یاد بھی لیکن خطبۂ جمعہ اس وقت بھی فرض ہے، اس کو چھوڑ دیں گے تو جمعہ ادا نہ ہوگا۔

دوسری قسم عبادات کی وہ ہے جو کسی عبادات کا ذریعہ بن جانے کے سبب عبادت کہلاتی ہے، اپنی ذات میں عبادت نہیں، اس طرح کی عبادت کا نہ کوئی خاص طریقہ شریعت میں مقرر ہے، نہ کوئی خاص نوع، بلکہ دنیا کا ہر کام کھانا پینا، سونا، جاگنا، زراعت، تجارت، صنعت کے کل کاروبار اگران کو ذرائع عبادت سمجھ کر (جیساکہ حقیقت میں ذرائع ہیں) کیے جائیں، تو وہ سب اس دوسرے معنیٰ سے عبادت کی فہرست میں آجاتے ہیں، شرط صرف ایک ہے کہ اُن میں کوئی ایسی صورت اختیار نہ کی جائے، جو شرعًا ناجائز ہو، اسی لیے اگر وہ عبادت ایک ذریعہ کے بجائے کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل ہوجائے تو اس کی ضرورت نہیں رہتی۔

مثلاً حج ایک عبادت مقصودہ ہے، اس کا ایک خاص طریقہ اور خاص اعمال، ارکان و واجبات وسنن کی تفصیل کے ساتھ قرآن وحدیث میں مذکور ہے، یہاں یہ اعمال و افعال خود مقصود ہیں، ان پر مرتب ہونے والے ثمرات جو ایک بین الاسلامی اجتماع سے ہوسکتے ہیں، یا عشقِ الٰہی کا ایک مظاہرہ جو حج کے تمام اعمال وارکان میں مشاہد ہے، ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جس کو مقصود حج قرار دیا جاسکے، اسی لیے اگر یہ فوائد مکہ مکرمہ کے علاوہ کسی دوسرے شہر یا ملک میں یا ایام حج کے علاوہ دوسرے ایام میں یا اس خاص ہیئت کے علاوہ دوسری ہیئت میں حاصل ہوسکیں تو فریضۂ حج ساقط نہیں ہوسکتا۔

اسی لیے باجماعِ امت افعال حج کی جو صورت اور جو طریقہ شریعت میں منقول

ہے اسی کو ادا کرنا فرض و ضروری ہے، ان میں کسی قسم کے تغیر و تبدل اور کمی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں۔

لیکن اگر اسی فریضۂ حج کے ساتھ کچھ اور اعمال و افعال بھی ہیں جو عبادتِ مقصودہ نہیں، بلکہ محض ذریعۂ عبادت ہونے کی وجہ سے عبادت سمجھے جاتے ہیں، مثلاً حج کے لیے روپیہ جمع کرنا، ضروریاتِ سفر مہیّا کرنا، اور آج کل حج بلڈنگ آفس میں جانا، وہاں کی ہدایات و شرائط کو پورا کرنا، پھر ہوائی یا بحری جہاز پر سوار ہونا، جدّہ پہنچنا، پھر وہاں سے سفر کا انتظام کر کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونا، یہ سارے کام عبادات ہیں مگر عباداتِ مقصودہ نہیں، اسی لیے جو شخص مکہ مکرّمہ میں موجود ہے، یا کسی دوسرے شخص نے اس کی تمام ذمہ داری اپنے سر لے کر اس کو بسہولت مکہ مکرمہ پہنچا دیا تو اس کے ذمہ اُن تمام کاموں میں سے کوئی کام نہیں رہ جاتا، اس کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب تک یہ سارے کام کر کے نہ آؤ گے حج ہی نہ ہوگا، یا تمہارے حج میں کوئی نقصان رہے گا۔

اسی طرح نماز ایک عبادتِ مقصودہ ہے، اس کے لیے چل کر مسجد میں جانا بھی بوجہ ذریعہ عبادت ہونے کے عبادت ہے، لیکن اگر کوئی شخص مسجد ہی کے حجرہ میں رہتا ہے تو چل کر جانے کی عبادت غیر مقصودہ اس سے ساقط ہو گئی کیونکہ اصل عبادت بغیر اس ذریعہ کے حاصل ہو گئی،

عباداتِ مقصودہ و غیر مقصودہ میں فرق واضح ہو جانے کے بعد اب ان کے متعلقہ احکام شرعیہ کا فرق سمجھیے،

عبادت غیر مقصودہ یعنی ذرائع عبادت کے متعلق شریعت میں بڑی وسعت ہے، اُن کا کوئی خاص طریقہ یا خاص وضع لازم و مقرر نہیں، ان میں کمی بیشی بھی کوئی جرم نہیں، جب کہ اصل عبادت میں کمی بیشی نہ ہو، اور ان میں ضرورتِ زمانہ و اختلافِ

مقام کی وجہ سے تغیر و تبدل بھی کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ یہ تغیر خود کسی شرعی حکم کے خلاف نہ ہو، مثلاً حج کے لیے سفر اونٹوں کی سواری کے بجائے موٹر، ریل، ہوائی جہاز وغیرہ میں کیا جائے تو بلا کراہتہ درست ہے، اس کو بدعت نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ یہ سفر خود کوئی عبادت نہیں، بلکہ عبادتِ حج کا ذریعہ ہے، علامہ شاطبی رح نے کتاب الاعتصام میں اسی مضمون کو بالفاظ ذیل تحریر فرمایا ہے لو کان ثم من یسیر الی فریضۃ الحج طیرانًا فی الھواء او مشیًا علی الماء لم یعد مبتدعًا،

اسی طرح فریضہ جہاد کے لیے تیر اور نیزوں کے بجائے آج رائفل اور توپ یا ٹینک اور بم استعمال کیے جائیں تو کوئی ممانعت نہیں، بلکہ ضروری اور مستحسن ہیں، کیونکہ تیر چلانا خود کوئی عبادت نہیں، بلکہ عبادتِ جہاد کا ایک ذریعہ ہے، وہ ضرورتِ زمانہ کے اعتبار سے بدلا جا سکتا ہے،

اسی مضمون کو بعض علماء و محققین نے ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے کہ حدیث میں احداث فی الدین یعنی دین میں کوئی نئی چیز پیدا کرنے کو بدعت قرار دیا گیا ہے، احداث للدین یعنی دین کی ضرورت کے لیے کوئی نیا ذریعہ پیدا کرنا اس میں داخل نہیں۔

یہ حکم عباداتِ غیر مقصودہ کا ہے جو اصل میں خود عبادت نہیں، بلکہ ذریعہ عبادت ہونے کے سبب عبادت کہلاتی ہیں،

اب عباداتِ مقصودہ کو لیجیے، تو ان کا معاملہ اس سے بالکل الگ ہے، یہاں جس طرح یہ عبادات خود مقصود ہیں ان کی وہ ہیئت اور صورت بھی مقصود ہے، جو شریعت میں بتلائی گئی ہے، ان میں ادنیٰ تغیر و تبدل بھی اپنی رائے سے جائز نہیں، ان میں جس طرح کوتاہی و کمی حرام ہے، اسی طرح زیادتی و اضافہ بھی حرام ہے، ظہر کی نماز کی جیسے چار کے بجائے تین رکعت پڑھنا جرم ہے اسی طرح پانچ پڑھنا بھی جرم عظیم ہے، پھر رکعات کی کمی بیشی ہی پر نہیں، اُن کی شکل و صورت، ترتیب وغیرہ میں بھی ادنیٰ تغیر کرنے کی اجازت

نہیں، قیام و قعود و رکوع و سجود کی ہیئت جو سنت سے ثابت ہے اس کے خلاف کرنا جرم ہے۔

حج ہی کو لے لیجیے کہ سفر حج میں تو یہ توسع ہے کہ چاہے پیدل کرے چاہے سواری پر، اور اونٹ پر سوار ہو کر یا موٹر یا ہوائی جہاز پر، لیکن ارکان حج کی ادائیگی مثلاً طواف و سعی میں یہ آزادی نہیں کہ جس کا جی چاہے بجائے پیدل طواف کرنے کے طیارہ میں بیٹھ کر بیت اللہ کے گرد طواف کرے یا صفا مروہ کے درمیان سعی کر لیا کرے، بلکہ ارکان حج میں بلا عذر شرعی ایسا کرنا درست نہیں۔

آلۂ مکبر الصوت کا استعمال عبادات غیر مقصودہ میں

مذکور الصدر تفصیل کے بعد اصول شرعیہ کے ماتحت یہ معلوم کر لینا کچھ مشکل نہ رہا کہ عبادات غیر مقصودہ، وعظ، تقریر، درس و تدریس وغیرہ میں آلہ مکبر الصوت کا استعمال ایسا ہی جائز ہے جیسے سفر حج میں موٹر و ہوائی جہاز کا یا جہاد میں ٹینک اور بم کا، اب بحث طلب یہ چیز رہ جاتی ہے، کہ عبادات مقصودہ میں اس قسم کے آلات کا استعمال کیسا ہے، اور ظاہر ہے کہ عبادات مقصودہ میں سے نماز ہی ایسی عبادت ہے جس میں آلۂ مکبر الصوت کے استعمال کا سوال پیدا ہو سکتا ہے، روزہ اور زکوٰۃ یا حج کے کسی رکن میں اس آلہ کے استعمال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لیئے اس پر نظر کرنا ہے اور درحقیقت محل بحث و نظر اور تصنیف رسالہ کا اصل مقصد اسی مسئلہ کا بیان کرنا ہے، اس لیئے اس کو ذرا وضاحت اور تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

آلۂ مکبر الصوت کا استعمال نماز میں

ظاہر ہے کہ یہ آلہ ایک نئی ایجاد ہے، عہد رسالت و خلافت راشدہ میں اس کا

وجود نہ تھا، اس لیۓ اس مسئلہ کا حکم صریح الفاظ میں جواز یا عدم جواز کا قرآن و حدیث میں نہیں مل سکتا، اصول و قواعد شرعیہ کی رُو سے ہی اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے،

عبادات مقصودہ سے متعلق اصول شرعیہ میں غور کرنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تمام اسلامی عبادات کا مدار سادگی، بے تکلفی، یسر و سہولت پر رکھا گیا ہے جس میں ہر طبقہ کے مسلمان لکھے پڑھے اور جاہل، شہری اور دیہاتی، غریب اور امیر، ہر زمانہ اور ہر خطّہ پر یہ عبادت یکسانیت و مساوات کے ساتھ بسہولت ادا کر سکیں، یہی وجہ ہے کہ عبادات کی ادائیگی میں زیادہ تر قدرتی اور فطری چیزوں سے کام لیا گیا ہے جن میں انسانی صنعت کا کوئی دخل نہیں، فلسفہ اور ریاضی یا ہیئت و سائنس کی فنّی تدقیقات یا اُن کے متعلق قدیم و جدید آلات پر کسی اسلامی عبادت کا مدار نہیں رکھا گیا، بلکہ ادائے عبادت کے لیۓ ان بحثوں میں اُلجھنے کو پسند بھی نہیں کیا گیا۔

نماز کے لیۓ اوقات کا تعین اسلام میں ایک اہم چیز ہے، نماز کے جواز و فساد کراہت و فضیلت کا اس پر مدار ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان اوقات کا تعین اور سردی گرمی میں اُن کا تغیر، یا مقامات کے اختلاف سے ان میں تفاوت، یہ فنِ ریاضی کا مسئلہ ہے، جنتری بنانے کے اصول پر اُن کو ہر زمانے اور ہر جگہ کے لیۓ حساب کر کے متعین کیا جا سکتا ہے، اور اس فن کے ماہرین عہد رسالت اور مابعد میں بکثرت موجود بھی تھے، لیکن شریعتِ اسلام نے ان سب چیزوں سے قطع کر کے اوقات نماز کے تعیّن کا مدار طلوع و غروبِ آفتاب اور اس کے سایہ کے گھٹنے بڑھنے پر رکھا ہے جو محسوسات و مشاہدات میں سے ہے، ہر جاہل، گنوار، یا لکھا پڑھا، گھڑی گھنٹے والے متمدن شہری اور بے سر و سامان اور غریب دیہاتی ہر شخص اپنی اپنی جگہ اس کو بغیر کسی حساب کے پہچان سکتا ہے۔

اسی طرح رویت ہلال کا مسئلہ جس پر بہت سے احکامِ شرعیہ روزہ، حج

نوکوٰۃ وغیرہ موقوف ہیں، یہ بھی ریاضی کا مسئلہ ہے، اس کے مقررہ اصول و ضوابط سے اس کو منضبط کیا جا سکتا ہے، لیکن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس سے ہٹا کر صرف مشاہدہ اور رویت پر اس کا مدار رکھ دیا، فرمایا:۔

صوموا لرویته وافطروا لرویته فان غم علیکم فاتموا عدۃ شعبان ثلثین؛	چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور دیکھ کر ہی افطار کرو اگر کسی وجہ سے چاند مشتبہ ہو جائے یا نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس دن پورے کر کے ماہ شعبان کو ختم کر کے رمضان کو شروع سمجھا جائے۔

اسی طرح مکہ معظمہ سے دور ممالک میں سمت قبلہ کا استخراج فن اصطرلاب کا مسئلہ بن جاتا ہے، رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رض نے اپنے قول اور عمل سے واضح کر دیا کہ اس میں بھی حسابی تدقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں، بلکہ سادہ طور پر بغیر طول بلد اور عرض بلد کا حساب کیے ہوئے بستی کی قریبی مساجد سے ایک اندازہ قائم کر کے دوسری مساجد بنائی جائیں اسی طرح ایک بستی سے دوسری قریبی بستی میں مساجد کا سلسلہ جاری کیا جائے، یا مشرق مغرب، شمال جنوب کی جہت متعین کر کے طلوع و غروب وغیرہ علاماتِ ظاہرہ سے سمت متعین کر لی جائے،

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب ممالکِ عجم کو فتح کیا تو اسی سادہ طریق پر مساجد کی بنیاد ڈالی، کہیں منقول نہیں کہ ماہرین ریاضی و اصطرلاب سے اس میں مدد لی گئی ہو،

اور یہ اس بنا پر نہیں کہ اس زمانہ میں فن ریاضی، اصطرلاب، ہیئت کا رواج نہ تھا، یا جاننے والے نہ تھے، بلکہ ان فنون کے ماہرین کے موجود ہوتے ہوئے فلسفیانہ تدقیقات کو اسلامی یسر و سہولت اور عوام کے مذاق پر ایک بار سمجھ کر چھوڑ دیا گیا، نماز کے وقت اہلِ محلہ یا اہل بستی کو جمع کرنے اور جماعت کے وقت کی

اطلاع دینے کے لیے بہت سے آلات موجود تھے، جو بظاہر اذان کے کلمات پکارنے سے زیادہ بہتر صورت میں اس ضرورت کو پورا کر سکتے تھے، مثلاً گھنٹہ بجا دینا وغیرہ اور اس قسم کی چیزیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی پیش کی گئیں، مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو پسند نہ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے ذریعہ اذان کے کلمات کی تلقین فرما دی وہی ہمیشہ کے لیے سنت بن گئے،

اور آج بھی قسم قسم کے گھڑی گھنٹے، لاؤڈ اسپیکر، ریڈیو، ٹیلیفون وغیرہ خبر رسانی اور اطلاع کے لیے سینکڑوں آلات ایجاد ہونے کے باوجود باجماع اہل اسلام نماز کے لیے اذان ہی مسنون صورت ہے، صرف جنتری کے اوقات اور گھنٹہ منٹ کی مقرر کردہ تعیین کو اذان کی جگہ نہیں دی جا سکتی، اور نہ کوئی مسلمان ان کو قبول کر سکتا ہے کہ مؤذن اپنے حجرہ میں بیٹھ کر میکروفون پر اذان کے کلمات کہہ دے، اور اس کے ہارن مسجد کے مناروں پر لگا دے، جس سے آواز سب جگہ پہنچ جائے بلکہ دین کی ادنیٰ فہم رکھنے والا بھی اذان کی مسنون ہیئت کو ترک کرنا گوارا نہیں کرے گا،

جہری نمازوں میں امام کی قرأت مقتدیوں کو سنانا مطلوب ہے، اسی لیے امام کو حاضرین کی تعداد کے اندازہ پر اپنی متوسط طاقت کے ساتھ آواز بلند کرنے کا حکم بھی ہے، اگرچہ آخر صفوف تک آواز پہنچانا نہ ضروری ہے، نہ امام کے ذمہ لازم ہے، جیسا آگے آتا ہے، ہاں امام کی تکبیرات انتقالیہ کا آخری صفوف تک پہنچانا ضروری ہے، تاکہ پچھلی صفوف کے نمازی امام کے ساتھ نقل و حرکت کر سکیں، اور اسی لیے جب نمازیوں کی صفیں دور تک پہنچ جائیں، تو درمیانی صفوف میں مبلغ کھڑے کرنا ضروری ہیں جو امام کی تکبیرات کے وقت بلند آواز سے تکبیرات کہہ کر پچھلی صفوف کو باخبر کر دیں، یہ طریقہ عہد رسالت سے آج تک چلا آیا ہے،

اور امّت اسی پر عمل کرتی رہی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آلۂ مکبر الصوت ایجاد ہونے کے بعد اس ضرورت کو قدیم طریقہ مسنونہ کے بجائے اس آلہ کے ذریعہ پورا کرنا شریعت کی نظر میں بہتر ہوگا یا قدیم سنت مسلوکہ کے مطابق عمل کرتے رہنا پسندیدہ سمجھا جائے گا۔

نماز میں آلۂ مکبّر الصّوت کے استعمال کے مفاسد

(۱) مذکور الصدر اصول اسلام کا مجری یہ ہے کہ نماز جیسی عبادتِ مقصودہ کو اسی قسم کے آلات کے استعمال سے علیحدہ رکھنا اور قدیم طریقہ مسنونہ پر قائم رہنا ہی بہتر ہے

علاوہ ازیں نماز میں آلۂ مکبر الصوت کے استعمال میں اگر ایک طرف آواز پہنچانے کی آسانی ہے، تو دوسری طرف مختلف قسم کی خرابیاں اور مفاسد بھی ہیں، مثلاً:۔

(۲) روزمرّہ کا مشاہدہ ہے کہ یہ آلہ اکثر فیل ہو جاتا ہے، کبھی خود آلہ کے خراب ہو جانے سے کبھی کنکشن قطع ہو جانے سے، کبھی دوسرے اسباب سے وعظ و تقریر کے دوران میں، تو ایسے وقت ایک طرف چند منٹ کے لئے تقریر بند کردی جاتی ہے، دوسری طرف اس کے درست کرنے والے دوڑتے ہیں، درست کر لیا جاتا ہے، لیکن اگر نماز میں اس آلہ کا استعمال ہو تو مسجد میں سب مسلمان ... شریک نماز ہوں گے، آلہ کی درستی کی فکر کون کرے، اور کس طرح کرے، اور بالفرض کوئی انتظام درست کرنے کا رکھ بھی لیا جائے تو جب تک آلہ کام کرنے لگے اس وقت تک نماز کو درمیان میں ملتوی تو نہیں کیا جا سکتا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب تکبیرات انتقالیہ کے آخری صفوں تک پہنچانے کا انتظام بذریعہ لاؤڈ اسپیکر کر لیا جاتا ہے تو درمیانی مکبّرین کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، اور

کہیں احتیاطاً مکبرین کا تقرر کر بھی دیا جائے تو عادۃً مکبرین سب آلہ مکبر الصوت کے اعتماد پر بے فکر ہوتے ہیں، جب تک وہ اس سے باخبر ہوں کہ یہ آلہ فیل ہو گیا ہے اسوقت تک کئی تکبیریں اور ارکان نماز ہو چکتے ہیں۔

ان حالات میں ظاہر ہے کہ پچھلی صفوف کے نمازیوں کا کیا حال ہو گا کہ امام سجدہ میں ایک مقتدی رکوع میں، ایک قیام میں۔ ایسی گڑبڑ پھیلتی ہے کہ عموماً لوگوں کی نماز فاسد ہو کر رہتی ہے،

۱۳۷۰ھ و ۱۳۷۱ھ میں احقر کو خود مسجد نبوی میں اس کا مشاہدہ ہوا کہ مختلف نمازوں میں بار بار یہ آلہ فیل ہو گیا اور ایام حج کے عوام کا ہجوم جو شریک نماز تھا اُس نے کیا کیا حرکتیں کیں، اور کس کس طرح لوگوں کی نمازیں فاسد ہوئیں یہ سب حاضرین دیکھ رہے تھے،

آج کل کے دانایان یورپ ایک سطحی نظر اور عجلت پسند مذاق رکھتے ہیں، کسی چیز کا ایک فائدہ سامنے آتا ہے تو اس کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں، اس کی تہہ میں دوسرے نقصانات کیا کیا ہیں، اس سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں، اور ہمارا تعلیم یافتہ روشن خیال طبقہ ابھی تک اس کی نقالی سے آزاد نہیں ہوا، حقائق پر پیغمبرانہ ہر گہری نظر اور منافع و مضار کے مجموعہ کو دیکھنے کے بعد کسی چیز کے متعلق فیصلہ جو مسلمان کا شیوہ ہونا چاہیئے آج ہم اس کو ہاتھ سے کھو چکے ہیں، اسی لیئے ہمارے نوجوانوں کا اصرار ہے کہ جب یہ آلہ ایجاد ہو گیا اور ہماری نمازوں میں اس سے ایک سہولت پیدا ہو سکتی ہے تو کیوں نہ اس سے کام لیا جائے، لیکن ذرا غور کریں کہ:۔

(الف) کوئی مسلمان یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ نماز کے لیئے یہ آلہ ضروری ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور نہ کوئی مسلمان اس کی جرأت کرے گا کہ تیرہ سو برس کے تمام مسلمانوں کی نماز کو فاسد قرار دے۔

(ب) کوئی سمجھدار مسلمان اس کی جرأت بھی نہیں کر سکتا کہ آلہ مکبر الصوت

کے استعمال سے نماز میں زیادتی ثواب یا افضلیت کا دعویٰ کرے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تمام اُمّتِ ماضیہ کی نمازیں اس افضلیت و ثواب سے خالی تھیں، مکبر الصوت کے موجدین نے اسلام پر یہ احسان کیا کہ تیرہ سو برس کے بعد نماز کا ثواب مکمل ہوا،

(ج) زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس آلہ کے ذریعہ انتظام جماعت بہ نسبت اقامت مکبرین کے ایک سہولت پیدا کر دیتا ہے۔

(د) لیکن اس سہولت کے مقابلہ میں اگر دوسری خرابیوں سے قطع نظر اسی ایک مفسدہ پر نظر کی جائے کہ عین نماز میں یہ آلہ فیل ہو جائے تو سیکڑوں مسلمانوں کی نماز خراب ہو جائے گی، اور عوام کے مجمع میں بکثرت ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ نماز فاسد ہو گئی اس کا اعادہ کرنا چاہیے، بعضے بے فکری بھی ہوتے ہیں کہ جاننے کے باوجود پھر قضاء کا اہتمام نہیں کرتے تو اس موہوم سہولت کے لیے اس جیسے مفسدہ کو گوارا کرنا کیا کوئی دانشمندانہ فعل ہو گا۔

(۳) یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ نماز میں خشوع و خضوع کی بڑی تاکید قرآن و حدیث میں وارد ہے اور درحقیقت وہی روح نماز ہے، نماز کے بہت سے آداب و سنن محض تحصیل خشوع ہی کے لیے ہیں، اور بہت سی چیزیں اس لیے نماز میں مکروہ ہیں کہ وہ خشوع کے خلاف ہیں۔ امام غزالی رح کی تحقیق تو یہ ہے کہ خشوع نماز کے ارکان میں سے ہے، امام حدیث ابن جوزیؒ نے مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اس پر ایک مستقل رسالہ الخشوع فی الصلوٰۃ تصنیف فرمایا ہے،

تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ اکثر اوقات آلہ مکبر الصوت کا نماز میں استعمال خشوع کو فوت کر دیتا ہے جبکہ امام کو یہ فکر رہے کہ اس کی آواز میکروفون پر پہونچ رہی ہے یا نہیں، خصوصاً رکوع و سجود کی حالت میں کہ میکروفون امام کے مواجہ

میں نہیں رہتا بجز اس کے کہ دو میکروفون رکھے جائیں، ایک اونچا جو کھڑے ہوئے کے وقت امام کی آواز کو لے سکے، دوسرا نیچے زمین پر جو سجدہ اور قعود کی حالت میں آواز کو پکڑ سکے، یا اتنا تیز اور اعلیٰ قسم کا میکروفون ہو جو ہر حالت میں امام کی آواز کو پکڑ لے۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عام مساجد میں نہ اتنا اہتمام ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے، ایسی صورت میں یا تو امام اس کا اہتمام رکھے کہ ہر کلمہ میکروفون کی طرف منہ کر کے کہے تو نماز کا خشوع برباد ہوا اور اگر ایسا نہ کیا تو بعض تکبیرات تو پچھلی صفوں کو پہنچیں گی بعض نہ پہنچیں گی، اس صورت میں پچھلی صفوں کی نماز میں خلل آئے گا۔

(۴) ایک بڑی بات قابلِ غور یہ بھی ہے کہ عام اسلامی عبادات میں اس کی رعایت رکھی گئی ہے کہ ہر طبقہ اور ہر حیثیت کے مسلمان عبادت کو یکسانیت اور مساوات کے ساتھ ادا کر سکیں، حج میں خصوصیت کے ساتھ اس وحدت کا مظاہرہ ہے، اسی لئے لباسِ احرام وہ تجویز کیا گیا ہے جو ہر غریب و امیر یکساں حاصل کر سکے۔
اگر نمازوں میں لاؤڈ اسپیکر کا رواج ہوا اور اس کو مستحسن سمجھا جائے تو ظاہر ہے کہ پیسے والے ہی اس کا انتظام کر سکیں گے، غریب بے چارے اپنی نماز میں بھی امیر سے پیچھے رہیں گے، کوئی مسجد امیر کہلائے گی کوئی غریب، اور عین نماز میں جس کی بڑی حکمت شاہ و گدا کو ایک صف میں کھڑا کر دینا تھا، اس میں بھی امیر و غریب کی تفریق نظر آنے لگے گی۔

(۵) ایک اور بڑا مفسدہ یہ بھی ہے کہ کسی جگہ قریب قریب میں دو یا دو سے زائد مسجدیں ہیں، اور ہر مسجد میں نماز بکبر الصوت پر ہو رہی ہے تو ایک مسجد کے امام کی آواز دوسری مسجد کے امام کی آواز سے ٹکرائے گی، اور بعض اوقات تکبیراتِ انتقالیہ میں یہ التباس پیش آئے گا کہ یہ اللہ اکبر ہمارے امام نے کہا ہے یا دوسری

مسجد کے امام نے،

اور یہ محض احتمالی یا موہوم مفسدے نہیں بلکہ ایک پیش آیا ہوا حادثہ ہے۔

کراچی میں احقر جس مسجد میں نماز پڑھتا ہے، باب الاسلام کہلاتی ہے، اس سے کچھ فاصلہ پر آرام باغ کے مغربی گوشہ میں ایک جماعت ہوا کرتی ہے، دونوں جگہ جمعہ ہوتا ہے، ہر ہفتہ ان میں یہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ باب الاسلام میں نماز جمعہ پہلے شروع ہو جاتی ہے، اور آرام باغ میں ابھی خطبہ سے پہلے کی تقریر یا خطبہ ہوتا ہے، مسجد باب الاسلام کے نمازیوں سے پوچھیے کہ ان پر کیا گذرتی ہے، ایک طرف اپنا امام قرأت کر رہا ہے دوسری طرف سے کہیں اشعار کہیں وعظ یا خطبہ کی آواز اس سے ٹکرا رہی ہے، خصوصاً جب ہوا تیز ہوتی ہے تو امام کی قرأت پر دوسری آواز غالب ہو جاتی ہے، وہ تو شکر کا مقام ہے کہ دونوں جگہوں میں صرف تقریر و خطبہ آلہ مکبر الصوت پر ہوتا ہے، نماز میں دونوں جگہ اس کا استعمال نہیں ہوتا، اور پھر نماز کے اوقات آگے پیچھے ہیں، ورنہ آوازوں کے تصادم اور التباس سے شاید دونوں جگہ میں سے کسی کی بھی نماز نہ ہوتی، اسی مسجد میں رمضان المبارک میں صبح کی نماز ذرا جلدی ہو جاتی ہے، یہاں سے کافی فاصلہ پر اسلم روڈ کی ایک مسجد میں اس وقت کوئی مولوی صاحب وعظ بیان کرتے ہیں۔ اور ستم یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کے بھو منارے کے اوپر لگائے ہوئے ہیں، سنانے کا وقت ہوتا ہے، وہ پوری آواز اس مسجد میں آتی ہے اور بارہا یہ نوبت آتی ہے کہ ہمارے امام کی آواز پر غالب آکر کچھ پتہ نہیں چلتا کہ امام کیا پڑھ رہا ہے، یہ اس حالت میں ہے کہ اُس طرف تقریر اور اس طرف نماز ہوتی ہے، جس میں امتیاز کچھ دشوار نہیں، اگر دونوں جگہ نماز اسی آلہ پر ہوتی اور بیک وقت ہوتی تو یقیناً اس قدر التباس پیش آتا کہ شاید کسی جگہ کے نمازیوں کی نماز صحیح نہ ہوتی،

مسجد باب الاسلام اور آرام باغ تو قریب قریب ہیں، یہ مسجد کافی فاصلہ پر ہونے

کے باوجود تصادمِ اصوات کی یہ آفت ہے، اگر کہا جائے کہ اس میں آلۂ مکبر الصوت کا قصور نہیں اس کے بے جا استعمال کا قصور ہے کہ بھولتے اونچے یا اس طرح لگائے کہ آواز باہر پھیلے، انتظام کیا جائے تو اس مفسدہ پر قابو پایا جاسکتا ہے، یہ بات اگرچہ اپنی جگہ صحیح ہے، لیکن جب عام مسلمانوں میں یہ احساس مکمل ہو اور ہر مسجد والے اس کی فکر کریں کہ دوسری مسجد والوں کو ہماری آواز سے تشویش نہ ہو، مگر آجکل مسلمانوں کے جو حالات ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں، مذکور الصدر مساجد کے معاملہ میں ان مساجد کے منتظمین کو بار بار توجہ دلانے اور عرض کرنے کے باوجود نتیجہ کچھ نہ نکلا، بلکہ بار بار توجہ دلانے سے تلخی بڑھ جانے کا اندیشہ ہوگیا، اس لیۓ صبر کیا گیا،

یہ جو واقعات ہم پر گزرے ہیں اگر خدانخواستہ اس آلہ کے استعمال فی الصلوٰۃ کا رواج عام ہوگیا تو بہت سے محلّوں میں مسجدیں اتنی اتنی قریب ہیں کہ وہاں دو یا زیادہ مساجد کی آوازیں بالکل گڈمڈ ہو کر ایک عجیب تماشہ بن جائیں گی، اور یہ جدّت پسندی اور روشنیٔ طبع بلائے جان بن جائے گی،

مذکور الصدر مفاسد اور بالخصوص مفسدہ (۲) ایسے ہیں کہ ایک طرف اُن پر نظر کی جائے، اور دوسری طرف صرف یہ فائدہ کہ امام کی قرأت آخری صفوف تک سنی جائے گی، جو شرعاً نہ ضروری ہے اور نہ اُس کے نہ سننے سے کسی کی نماز میں ادنیٰ کراہت کا خطرہ ہے، یا یہ کہ تکبیراتِ انتقالیہ کے آخری صفوں تک پہنچانے کا انتظام بہ نسبت مکبرین کے اس آلہ کے ذریعہ آسان ہے۔

ان مفاسد کثیرہ اور ایک فائدہ کا مقابلہ کر کے دیکھیں تو کوئی سمجھدار انسان اس کے نماز میں استعمال کو مستحسن نہیں کہہ سکتا، کسی چیز کے مفاسد سے قطع نظر کر کے اس کے سطحی فائدہ کو دیکھنا اور اس کے پیچھے پڑ جانا کسی دانشمند کا کام نہیں ہوسکتا۔

(۶) فقہاء کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں ائمہ مجتہدین یا علماء میں اختلاف ہو تو مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ خروج عن الخلاف کی کوشش کی جائے، یعنی عمل میں جہاں تک ممکن ہو ایسی صورت اختیار کی جائے جو کسی کے نزدیک فاسد نہ قرار پائے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح اپنے تمام اعمال میں اس کی رعایت فرماتے تھے، اور دوسروں کو بھی مشورہ دیتے تھے، مسئلہ مکبر الصوت میں اگرچہ ہماری تحقیق و تفتیش کا نتیجہ یہی ہوا کہ نماز فاسد نہیں، لیکن بہر حال بہت سے علماء کی تحقیق اور ان کا فتویٰ آج بھی یہ ہے کہ یہ اصلی آواز نہیں، اور نماز میں اس کا اتباع مفسد نماز ہے تو مسلمہ قاعدہ فقہیہ کا مقتضا یہ ہے کہ ایسی چیز سے اجتناب کیا جائے جس میں بعض علماء حق فساد نماز کا حکم کرتے ہوں تاکہ ہماری نماز فساد کے شبہ میں نہ پڑے، بدائع الصنائع

خلاصۂ کلام

یہ ہے کہ قواعد و اصول شرعیہ و عقلیہ کا مقتضا اس معاملہ میں یہ معلوم ہوتا ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم، کہ آلہ مکبر الصوت کا استعمال نمازوں میں درست و مناسب نہیں، اس سے اجتناب کرنا چاہیئے، سادہ طریقہ مسنونہ کے ساتھ بڑی جماعتوں میں مکبرین کے ذریعہ تکبیرات انتقالیہ کی آواز آخری صفوف تک پہنچائی جائیں، یہی جامع خیرات و برکات اور مفاسد سے پاک طریقہ ہے، اسی کو اختیار کرنا چاہیئے،

البتہ اس طریقہ کو عام لوگوں کی بد انتظامی نے خراب کر رکھا ہے کہ اکثر جماعتوں میں مکبرین کا پہلے سے انتظام نہیں کیا جاتا جس کا جی چاہے تکبیر کہنے لگتا ہے، کسی صف میں ایک سے زیادہ بولتے ہیں، کوئی صف بالکل خالی رہتی ہے، بعض جگہ بچے تکبیرات بے موقع پکارنے لگتے ہیں، جس سے نماز میں خلل آتا ہے، ضرورت اس کی ہے کہ نماز سے پہلے ہر تین چار صف کے بعد صف کے داہنے بائیں بازو پر دو مکبر مقرر کر دیئے جائیں، اور باقی تمام نمازیوں کو ہدایت کر دی جائے کہ اور کوئی

صاحب تکبیر نہ پکاریں، جتنا اہتمام آلۂ مکبر الصوت کے لیئے کیا جاتا ہے اگر اس کا تہائی، چوتھائی اہتمام مکبرین کے تقرر میں کرلیا جائے تو بہترین نظم اور سکون کے ساتھ نماز ادا ہوجائے۔ واللہ الموفق للسداد وبیدہ المبدأ والمعاد،

اب ایک اہم مسئلہ غور طلب باقی رہ گیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی مجبوری سے جیسے حجاج کو آج کل حرمین میں پیش آتی ہے یا ناواقفیت یا محض اپنی رائے سے لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھی تو اس کی نماز ہوگئی یا فاسد واجب الاعادہ ہے اس میں علماء کا اختلاف شروع سے ہے، اس لیئے زیادہ محل بحث ونظر ہے اس کو تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق،

کیا مکبّر الصّوت کی آواز پر نماز ادا کرنا مفسدِ نماز ہے

بلاشبہ قرآن مجید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات قیامت تک پیش آنے والی تمام ضروریات ملت پر حاوی اور سب کے لیئے کفیل ہیں، دنیا میں کتنے ہی انقلاب آئیں، سائنس کتنی ہی ترقیاں کرے، آلات نئے سے نئے ایجاد ہوں ان کی وجہ سے کتنے ہی مسائل پیدا ہوں، قرآن وحدیث کی رُو سے فقہائے کرام کے بتلائے ہوئے اصول ان سب کے جواب پر حاوی ہیں، اب اہل فتویٰ علماء کا کام یہ رہ جاتا ہے کہ پیش آنے والے نئے مسئلہ کی حقیقت کو سمجھ کر ان اصول مسلمہ سے ان کا جواب نکالا جائے، موجودہ مسئلہ کو کسی اصول کے تحت میں داخل کرنے اور اس کا حکم نکالنے ہی میں فکر ونظر وتفقہ کی ضرورت پیش آتی ہے، اس لیئے اس میں رایوں کا اختلاف بھی ہوسکتا ہے۔

نماز میں آلۂ مکبر الصوت کے استعمال کا سوال جب زیر بحث آیا تو انھیں وجوہ مذکورہ کی بناء پر اس میں علماء کی رائیں مختلف ہوگئیں، بعض نے جواز نماز

کا فتویٰ دیا، بعض نے فسادِ نماز کا، دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رح سے نے فتویٰ فساد نماز کا تحریر فرمایا جس کا مبنی مندرجہ ذیل امور سے تھے،

(۱) نماز میں کسی ایسے شخص کی آواز کا اتباع کرنا جو داخلِ نماز نہ ہو مفسدِ نماز ہے اسی لیئے اگر کسی جگہ امام کو سہو ہوا در کوئی ایسا شخص جو امام کے ساتھ جماعت میں شریک نہیں لقمہ دیدے تو امام کو اس کا لقمہ لینا جائز نہیں، اگر لے لیا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، (شامی وغیرہ کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے)

(۲) جو آدمی شریک نماز بھی ہو اور امام کی آواز دور کے مقتدیوں تک پہنچانے کے لیئے تکبیر باواز بلند کہہ رہا ہو اس کے لیئے بھی فقہاء نے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اپنی تکبیر سے نیت تکبیر تحریمہ اور عبادت کی کرے، اور اگر محض دوسروں کو آواز پہنچانے کی نیت سے تکبیر پکار دی، تو نہ اس کی نماز ہوگی اور نہ اُن مقتدیوں کی جو اس کی آواز پر نماز ادا کر رہے ہیں، علامہ شامی نے رد المحتار میں اس کی پوری وضاحت فرمائی ہے، اور دوسرے فقہاء نے بھی اس کی تصریح کی ہے،

(۳) آلۂ مکبر الصوت سے نکلی ہوئی آواز بعینہ امام کی آواز نہیں، بلکہ صدائے بازگشت کی طرح ہے، اور حضرات فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ صدائے بازگشت کو اس آدمی کی اصل آواز نہیں کہا جا سکتا جس کی یہ بازگشت ہے، اسی لیئے اگر کوئی شخص آیتِ سجدہ کی تلاوت کسی گنبد یا پہاڑ وغیرہ میں کرے، اور دوسرا آدمی اس کی اصلی آواز تو نہ سُنے لیکن گنبد وغیرہ سے جو اس کی بازگشت ہو وہ صدائے بازگشت اس کے کان میں پڑ جائے، تو اس پر سجدۂ تلاوت لازم نہیں آتا، کیونکہ سجدۂ تلاوت واجب ہونے کے لیئے یہ شرط ہے کہ آیتِ سجدہ کی کسی مکلف انسان کی زبان سے سنی، اور بازگشت کی آواز انسان مکلف کی آواز نہیں، اس لیئے سجدۂ تلاوت واجب نہیں،

(۴) مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر آلۂ مکبر الصوت کی آواز بھی چوں کہ اصل امام کی آواز نہیں بلکہ صدائے بازگشت کی طرح ہے، اور یہ آلہ نہ انسان مکلّف ہے نہ نماز میں داخل ہے، نہ کسی عبادت یا تحریمہ نماز کے قصد و نیت کا اس آلہ کے متعلق کوئی سوال و احتمال ہو سکتا ہے اس لیے اس کی آواز سے نماز میں استفادہ کرنا اور نماز کی نقل و حرکت میں اس کا اتباع کرنا مفسد نماز ہے۔"

دارالعلوم کا یہ فتویٰ سیدی و سندی حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے پاس بھیجا گیا، تو اگرچہ نماز میں اس آلہ کے استعمال کی ممانعت کا فتویٰ آپ پہلے بھی دے چکے تھے، لیکن استعمال کی صورت میں سرے سے نماز ہی فاسد ہو جائے، یہ حکم اس فتویٰ کی موافقت میں اب دیا گیا جس کے الفاظ بعنوان رای الاحقر فی ہذا الجواب حسب ذیل ہے:۔

"اگر ثابت ہو جائے کہ اس آلہ سے عین صوت بلند نہیں ہو جاتی، بلکہ گونجنے اور ٹکرانے سے کی حکایت پہنچ جاتی ہے، تو صواب منحصر فی الجواب ہے (یعنی فسادِ نماز) اور مظنون یہی ہے، اور کسی ماہر سائنس کی تحقیق سے یہ ظن درجہ یقین تک پہونچ سکتا ہے، اور اگر ثابت ہو جائے کہ عین صوت بلند ہو جاتی ہے تو اس صورت میں حکم وہ ہے جو احقر نے اپنے جواب میں عرض کیا ہے (یعنی اس آلہ کو نماز میں استعمال سے بوجہ مفاسد ترک و منع کا حکم کیا جائے لیکن اگر کوئی پڑھ لے تو نماز کے فساد کا حکم نہ ہو) اور اگر دونوں احتمال علی السواء ہوں تو پھر بھی جواب وہی ہے، جو حضرت مجیب مصیب سلمہ اللہ الرقیب نے تحریر فرمایا ہے (یعنی فسادِ نماز) مگر توجیہ مختلف یہ ہے کہ عین صوت کا عدم بلوغ الی البعید پہلے

سے متیقن ہے، اور اب اس میں شک واقع ہوگیا اور الیقین لایزول بالشک، اس لیئے عدم بلوغ کا حکم کرکے اس صوت کو مثل صدی کے حکم دیا جائے گا۔

اشرف علی تھانہ بھون، ۵ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ

پھر چونکہ اس فتوی کا مرجع اصلی یہ تھا کہ آلہ کے ذریعہ دور تک پہونچنے والی آواز کو اصل امام کی آواز نہ قرار دیا جائے، بلکہ صدائے بازگشت کی طرح سمجھا جائے، اسی تصوّر کی بنیاد پر آلہ مکبر الصوت کی اتباع کو مفسد نماز لکھا گیا، لیکن خود یہ مسئلہ کہ یہ آواز امام کی اصلی آواز ہے یا صدائے بازگشت کی طرح اس آواز کی شبیہ ہے فنّی طور پر محتاج تحقیق تھی، اس لیئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت جن داروں یا ماہرین فن سے اس مسئلہ کی تحقیق ہوسکتی تھی ان کو خطوط لکھے، تین جگہوں سے جوابات آئے مگر ان جوابوں میں اختلاف تھا،

ایک[1] میں آلہ کے ذریعہ پہنچنے والی آواز کو امام ہی کی آواز بعینہ اصلی آواز قرار دینے پر جزم ویقین کے ساتھ تصریح کی گئی تھی، دوسرے[2] میں اس کے خلاف آواز کی نقل وحکایت ہونے کی تصریح تھی، تیسرے[3] جواب میں تردد کا اظہار کیا گیا تھا۔

---

[1] یہ جواب سید شبیر علی صاحب پروفیسر محکمہ سائنس علی گڑھ کا تھا، [2] یہ جواب حیدرآباد دکن کے کسی عالم کا ہے جو مولانا عبدالحی صاحب نے حاصل کرکے بھیجا تھا، [3] یہ جواب برج نندن لال صاحب بی، اے۔ بی، ایس، سی۔ ماسٹر سائنس الگزنڈر ہائی اسکول بھوپال کا تھا، ان تینوں جوابات کا خلاصہ مع دیگر تحقیقات جدیدہ از اعلیٰ ماہرین سائنس اس رسالہ کے آخر میں لکھدیا گیا ہے ۱۲ محمد شفیع

سیدی حکیم الامت قدس سرہ نے ان جوابوں پر نظر فرمائی تو ان کا حاصل پھر یہی تھا کہ اصل مسئلہ منقح نہ ہوا بلکہ تردد باقی رہا، لہذا ان تحقیقات کے بعد بھی حضرت رح کا فتویٰ وہی رہا جو حضرت مولانا مدنی رح کے فتویٰ پر لکھا گیا تھا۔

پھر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے مسائلِ مذکورہ کے متعلق ایک مستقل رسالہ بنام **المقالات المفیدۃ فی الآلات الجدیدۃ** تصنیف فرمایا، اس میں بھی اس مسئلہ کا ذکر آیا تو فساد نماز کا حکم تحریر فرما کر آخر میں لکھا کہ

"یہ سب تحقیقات اپنی معلومات کے مطابق لکھی گئی ہیں، اگر کسی کو اس سے زیادہ یا اس کے خلاف تحقیق ہو وہ اپنی تحقیق پر عمل کرے، اور اگر ہم کو بھی مطلع کر دے تو ماجور ہو گا، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم،

کتبہ اشرف علی تھانہ بھون ۱۵ر محرم الحرام ۱۳۵۷ھ

(رسالہ المقالات المفیدہ حضرت رح کی آخری تصنیف بوادر النوادر جلد دوم میں مکمل شائع ہوا ہے)

۱۳۴۹ھ ہجری میں دار العلوم دیوبند کی خدمت فتویٰ اس ناکارہ خلائق کے سپرد کی گئی، اس وقت اس آلہ کا استعمال اور زیادہ عام ہو چکا تھا، اطرافِ ملک سے آئے دن اس کے متعلق سوالات آتے رہتے تھے، اس لیے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا جائے، چنانچہ ۱۳۵۷ھ میں احقر نے اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا جس میں دیوبند کے سابق فتویٰ اور حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی تائید و تصویب کو مزید شرح و تائید کے ساتھ ضبط کر لیا گیا اور یہ رسالہ مستقل صورت میں شائع ہو گیا۔

دیوبند، سہارنپور، تھانہ بھون کے علماء نے عام طور پر اس کی موافقت فرمائی لیکن میرا یہ رسالہ جب حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رح کے پاس پہنچا جبکہ وہ ڈابھیل ضلع سورت کے جامعہ اسلامیہ میں صدر مدرس کے فرائض انجام دے رہے

تھے) آپ نے رسالہ پڑھ کر احقر کو ایک والانامہ تحریر فرمایا جس میں فسدنماز کے حکم سے اختلاف کا اظہار فرمایا، یہ والانامہ بلفظہ درج ذیل ہے :۔

مکتوب شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ

از ڈابھیل

برادر مکرم جناب مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم!

بعد سلام مسنون آنکہ رسالہ المفتی محرم ۵۸ھ میں سے آلۂ مکبر الصوت والا مضمون میں نے پڑھا ماشاء اللہ بہت محنت اور سلیقہ سے لکھا گیا ہے، مگر بعض اجزاء پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

(۱) بے شک دین یا عبادت میں تعمق[1] و غلو ممنوع ہے (یا) فان اللہ لایمل حتی تملوا ونحوذلک من الاعراض عن السنۃ او تقالالھا و غیرھما،

یہی وجہ ہے کہ کبار علماء خصوصاً ان حضرات کے احوال میں جو عرفاً مشائخ صوفیہ سے ملقب ہیں، اسی طرح کے اکثار عبادات کی بے شمار نظائر پائی جاتی ہیں، جن کو یقیناً مذموم قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ وہ بحمد اللہ ان مضار سے مامون تھے، اور ان کا منشاء صحیح تھا،

(۲) طہارت نجاست کے باب میں محض شبہات واوہام یا احتمالات پر بنا کرنا یا زیادہ خوض اور تکلف سے کام لینا بے شک ناپسندیدہ ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ محرمات دو قسم کے ہوتے ہیں، محرم بوصفہ، اور محرم لکسبہ، اول میں اسی طرح کا

---

[1] نمبر (۱) و (۲) کے مضمون میرے رسالہ کے پہلے ایڈیشن میں تھے، موجودہ ایڈیشن میں اس کو بدل دیا گیا ہے ۱۲ منہ

تعمق غلو میں شمار ہے، اور ثانی میں شبہات اور احتمالات سے بچنا احتیاط و تقویٰ ہے کما نبّہ علیہ الحافظ ابن تیمیہ فی فتاواہ، صحیح بخاری کی حدیث ہے الحرام بین والحلال بین و بینہما مشتبہات الی قولہ صلے اللہ علیہ وسلم ومن رعی حول حمی یوشک ان یواقعہ، ورنہ جو دقائق تقویٰ ائمہ اور مشائخ کبار سے منقول ہیں بے معنی توہمات قرار پائیں گے، یہ چیز کتاب سنت اور مسائل فقہیہ کے تتبع سے صاف ظاہر ہے کہ نجاست وطہارت کے باب میں شریعت مطہرہ جو توسع اور اغماض روا رکھتی ہے اور اس کا ربوا وغیرہ کے مسائل میں اصلا مساغ نہیں، بہر حال اس مقدمہ میں کچھ قیود واحتراسات کی ضرورت ہے،

(۴) جب احادیث وفقہیات کی بنا ء پر یہ تسلیم کیا گیا کہ اذان، خطبہ، قرأت وغیرہ میں استماع مخاطبین ومقتدین کی بناء پر رفع صوت مطلوب ہے، اور شریعت نے ایک حد تک اس کا اہتمام کیا ہے تو رفع صوت یا یوں کہیئے کہ ابلاغ صوت کی کسی جدید صورت کو جو فی حد ذاتہ مباح بلکہ بعض صورتوں میں مستحسن تسلیم کر لی گئی اباحت وجواز کی حد سے نکالنا کس اصول پر مبنی ہوگا، آخر کسی امر کے متعلق شریعت کے امر کی تحدید محض اس اصول پر تو نہیں کی جا سکتی کہ یہ چیز اس وقت موجود نہ تھی جیسا کہ آپ خود تسلیم کر رہے ہیں، اذان جوق کو بدعت حسنہ کہکر فقہاء نے قبول کر لیا، جو آج تک رائج ہے، اور فی الحقیقت یہ بنو امیہ کی بدعت نہیں، جیسا کہ شامی نے نقل کیا ہے، بلکہ فاروق اعظم رضؓ نے جو آخری خطبہ جمعہ کا دیا ہے اس کے متعلق صحیح میں فلما قعد علے المنبر وسکت المؤذنون کے الفاظ موجود ہیں، جس کو دیکھ کر شیخ ابو الحسن سندھی نے اس مسئلہ پر تنبیہ کی ہے کہ فی العتاة من ابن القاسم عن مالک اذا جلس الامام علے المنبر واخذ المؤذنون فی الاذان حرم البیع فذکر المؤذنون بلفظ الجماعۃ وینتھض لھذا حدیث

الزهری من ثعلبۃ بن ابی مالک القرظی انھم کانوا فی زمن عمر بن الخطاب یصلون الجمعۃ حتی یخرج عمر و جلس علی المنبر واذن المؤذنون الحدیث وھکذا حکاہ عن ابی حنیفۃ واصحابہ (عمدۃ، ص ۲۱۱، ج ۶)

تکبیر کی تبلیغ کے لیے مرض الموت کے قصہ میں صدیق اکبرؓ کا واقعہ موجود ہے بے شک خیال ہو سکتا ہے کہ پھر خطبہ اور قراءت صلوٰۃ میں یہ تبلیغ کا عمل کیوں نہ کیا گیا، مگر ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہاں ایسا عمل اختیار کرنے سے دوسرے اہم مقاصد و مصالح فوت ہوتے ہیں، مثلاً اگر کئی شخص علی وجہ الاجتماع خطبہ یا قرآن پڑھیں، تو استماع وانصات للامام فوت ہو جاتا ہے، اور منازعت اور تصادم اصوات کا ایسا منظر سامنے آتا ہے جو صلوٰۃ و خطبہ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور علی وجہ التعاقب یہ تو ایک ایک قرآۃ کی کئی کئی قرآتیں یا ایک خطبہ کے کئی کئی خطبے ہو کر تخفیف علی المصلین اور قصر خطبہ کی غرض نظر انداز ہو جاتی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی معمولی چیز نہیں، من ام منکم فلیخفف اور ان منکم منفرین، افتان انت یا معاذ، کے ساتھ جس فرط غضب کا اظہار ایسے مواقع میں ہوا ہے وہ کسی اہل علم پر مخفی نہیں، آلہ مکبر الصوت میں ان مفاسد کا کوئی احتمال نہیں، بلکہ ابلاغ صوت کا مقصد بہت پر سکون طریقہ سے حاصل ہو جاتا ہے، جیسا کہ مجالس وعظ وغیرہ میں عموماً تجربہ ہو رہا ہے، رہی یہ چیز کہ بظاہر ایک لعب کی سی صورت ہو جاتی ہے یہ فی الحقیقت اس پر مبنی ہے کہ ہر نئی چیز ابتداء میں توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، اب یہ چیز رفتہ رفتہ عام ہوتی جا رہی ہے، عام ہونے کے بعد کسی کو التفات بھی نہ رہیگا کہ یہ آواز ہم آلہ سے سن رہے ہیں۔

(۴) یہ تحقیق کہ آلہ سے جو صوت مسموع ہو رہی ہے، وہ عین صوت قاری ہے یا اس کی نقل اور نقش ثانی ہے اس کا کوئی فیصلہ ہنوز نہ ہو سکا، اس لیے اجتناب

کو احوط تو کہہ سکتے ہیں ناجائز نہیں کہہ سکتے اور احوط کہنا بھی اس جزئیہ کی بناء پر کہ اقتداء بمن لم یدیا خل فی الصلوٰۃ لازم آتی ہے، مگر مجھے اس مسئلہ میں بھی شفا نہیں، مبلغ کی آواز سے امام کے انتقالات پر استدلال کر کے انتقال کرنا، حقیقتاً مبلغ کی اقتدار شرعی نہیں، لبعض اعتبار سے توسعاً اقتدار کا اطلاق ہوتا ہے، محض اتنی بات سے اس پر استدلال کرنا کہ مکبر کی نماز کا وجود و عدم عامہ مقتدین کی نماز کے فساد و صحت پر اثر انداز ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا، یہ غرض نہیں کہ جزئیہ فقہ میں موجود نہیں، بلاشبہ موجود ہے، مگر میں اپنے عدم فہم کا اظہار کر رہا ہوں، اس کا ذکر استطراداً کر دیا ہے، مقصود یہ نہیں کہ اپنے عدم فہم کو حجت قرار دوں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ، میں کیا اور میرا فہم کیا بس مقصود اتنا ہے کہ مکبر الصوت کے حکم میں شرح صدر نہیں، اور اباحت مرجوحہ کی طرف قلب کا میلان ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اس وقت ایک قول شیخ ابو بکر بن فورک کا یاد آگیا "کل موضع ترٰی فیہ اجتہاداً ولیس علیہ نور فانہ بدعۃ خفیۃ" بے شک یہاں بھی نور تو محسوس نہیں ہوتا لیکن یہ اہل وجدان صحیح کا اور نور بصیرت رکھنے والوں کا حق ہے کہ نور کے وجود و عدم کا فیصلہ کریں، ما و شما کا منصب نہیں، آپ نے اصرار کیا تھا اس لئے یہ چند سطور لکھی گئیں۔ شبیر احمد عثمانی، از ڈابھیل، ۲۷ر صفر ۵۸ھ

احقر نے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے مولانا عثمانی کی اس رائے اور اختلاف کا ذکر کیا تو فرمایا کہ کسی وقت جب وہ یہاں تشریف لائیں گے بالمواجہہ گفتگو ہو جائیگی، یہ واقعہ سنہ ۱۳۵۸ھ کا ہے، اس کے بعد مسلسل کچھ ایسے حالات پیش آتے رہے کہ اس مسئلہ پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے مجتمعاً گفتگو کا موقع نہ ملا، تا آنکہ سنہ ۱۳۶۲ھ میں حضرت قدس سرہٗ کی وفات ہو گئی۔

۱۳۶۶ھ میں جب احقر پاکستان (کراچی) پہنچا، اور حضرت مولانا عثمانی رحہ پہلے سے یہاں تشریف فرما تھے، اور ادھر یہاں شہر کی بڑی بڑی جماعتوں میں آلہ مکبر الصوت کے استعمال پر بحثیں شروع ہوئیں، اور اسی اثناء میں حرمین محترمین میں تمام نمازیں آلہ مکبر الصوت پر ہونے لگیں، ہندوستانی اور پاکستانی حجاج وزائرین جو یہاں فسادِ نماز کا حکم سنے ہوئے تھے ان کو سخت الجھن پیش آئی۔ اور اطرافِ پاکستان وبھارت سے سوالات کا تانتا بندھ گیا، اس وقت حضرت استاد مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ میں عملاً آپ کے فتوی کی مخالفت نہیں کرتا، اور اسی لیئے آج تک نہ کسی کو اپنی رائے پر فتوی دیا، اور نہ کبھی خود اس آلہ پر نماز پڑھی، لیکن رائے میری وہی ہے جو پہلے اپنے خط میں لکھ چکا ہوں، اب مناسب یہ ہے کہ اس مسئلہ پر دوبارہ مکمل غور کیا جائے۔

حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ کے خط میں فسادِ نماز سے اختلاف کی وجہ اگرچہ اصل جزئیہ فقہیہ تھا جس کی بناء پر فسادِ نماز کا حکم دیا گیا ہے اور مولانا کا یہ اختلاف آواز کے عین یا غیر ہونے کی دونوں صورتوں میں تھا لیکن فتوی میں چونکہ مدارِ بحث یہی رکھا گیا تھا کہ آلہ مکبر الصوت کی آواز کو امام کی اصلی آواز نہیں بلکہ اس کی حکایت وچربہ قرار دیا گیا ہے، اس لیئے مناسب سمجھا کہ پہلے اس مسئلہ کی پوری تحقیق کرلی جائے،

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے جس زمانہ اور جن حالات میں اس کی تحقیق فرمائی تھی، اول تو اس وقت اس آلہ کا اتنا عموم اور شیوع نہ تھا، بہت سے ماہرینِ فن کو بھی اس وقت تک شاید مکمل تحقیق نہ ہو جیسا کہ بھوپال والے جواب سے واضح ہے، دوسرے وہاں ماہرینِ فن سے جواب حاصل کرنے کی سہولتیں بھی نہ تھیں، اور یہی وجہ ہے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اس معاملہ

میں بعد تحقیق بھی تردد ہی کا اظہار فرمایا ہے، یہ مرکزی جگہ ہے، ہر فن کے ماہرین موجود ہیں، ان سے معلومات حاصل کرنے کی کافی سہولتیں میسر ہیں،

احقر نے حسب الارشاد محکمہ ریڈیو اور محکمہ آواز کے ذمہ دار اعلیٰ ماہرین سے تحریری سوال کرکے اس کی تحقیق کی، یہاں سب نے متفقہ طور پر یہ بیان کیا کہ آلہ مکبر الصوت سے اصل آواز بعینہ دور تک پہونچتی ہے، یہ پہلی آواز کا چربہ یا بازگشت یا عکس ہرگز نہیں،

لیکن چوں کہ حضرت حکیم الامت رح کے استفسار کے جواب میں حیدرآباد کے ایک ماہر نے یہ جواب دیا تھا کہ برقی مکبر الصوت کے ذریعہ اصل آواز دُور تک نہیں پہنچتی، بلکہ اس کی نقل وحکایت پہنچتی ہے، اور دہلی ریڈیو سے شائع شدہ ایک مضمون سے بھی کچھ ایسا ہی مفہوم ہوتا تھا، اس لیئے ایک گونہ اشتباہ پھر بھی باقی رہا جس کے ازالہ کے لیئے تمام وہ جوابات جو حضرت حکیم الامت رح نے پہلے حاصل فرمائے تھے، اور دہلی ریڈیو کا مضمون سب نقل کرکے ان ماہرین کے سامنے پیش کیا، اور مکرر اُن حضرات سے سوال کیا کہ ان سب تحقیقات وبیانات کو سامنے رکھ کر مکرر غور فرمائیں، اور پھر جواب واضح دیں، انھوں نے ان سب جوابوں اور تحقیقات کے ملاحظہ کے بعد بھی اپنی پہلی رائے ہی کو صحیح قرار دیا، اور مکبر الصوت کی آواز کو بازگشت یا نقل و حکایت کہنے کی شدت کے ساتھ تردید کی، ان سب قدیم وجدید تحقیقات اور مکرر سوال وجواب کا خلاصہ مع مزید تحقیقات کے جو رسالہ کی طبع ثالث کے وقت حاصل ہوئی، اس رسالہ کے ضمیمہ اولیٰ میں لکھدیئے گئے ہیں، اس کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ احقر نے حسب ایماء شیخ الاسلام حضرت مولانا عثمانی رح اس مسئلہ کی تحقیق کے لیئے ایک طرف تو فنی طور پر محکمہ ریڈیو اور محکمہ صوت کے اعلیٰ ماہرین سے اس کی تحقیقات شروع کی، اور مکرر و سہ کرر مراسلت کی، دوسری جانب علماء اہل عصر ارباب فتویٰ سے گفتگو و مراسلت کا سلسلہ جاری رکھا، خود حضرت مولانا مرحوم سے مسئلہ کے

مختلف پہلوؤں پر کئی کئی گھنٹے بحث وتحقیق کا سلسلہ جاری رہا۔

یہ سلسلہ ہنوز مکمل نہ ہوا تھا کہ علماء سلف کی یہ آخری یادگار بھی اچانک حملۂ مرض سے ۲۴ر صفر ۱۳۶۹ھ میں دنیا سے رخصت ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مسئلہ ہنوز تشنۂ تکمیل تھا، اس حادثہ نے اور بھی ہمت توڑ دی، ایک مدت تک پھر التواء میں پڑا رہا، اہلِ عصر ارباب فتویٰ کی کچھ تحقیقات وجوابات اس عرصہ میں موصول ہوئے، اور بتقاضائے ضرورت پھر اس مسئلہ پر لکھنے کے لیے احباب کا تقاضہ ہوا، اس لیے مسئلہ کی پوری تاریخ بتلانے کے بعد اس مکرر تحقیق اور چند سالہ غور و فکر اور اکابر علماء سے بحث وتمحیص کے بعد جس نتیجہ پر احقر ناکارہ پہنچا ہے توکلا علی اللہ عرض کرتا ہے، اس پر بھی اُس وقت اقدام کیا جب اکابر علماء اہلِ تحقیق وارباب فتویٰ سے زبانی بحث وتمحیص میں اس کی موافقت معلوم ہوئی، مثلاً حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، حضرت مولانا محمد حسن صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مذکورہ، حضرت مولانا خیر محمد صاحب مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان، حضرت مولانا اطہر علی صاحب صدر جمعیۃ علماء اسلام مشرقی پاکستان، اور علامہ زاہد کوثری از اکابر علماء مصر ومفتی اعظم فلسطین، مفتی دیار مصریہ وشیخ امجد زہادی قاضی عراق وترکستان،

اللہ تعالیٰ سے دعاء والتجا ہے کہ صواب وسداد کی توفیق بخشیں، اور زلت وخطا سے حفاظت فرمائیں، واللہ المستعان وعلیہ التکلان،

نماز میں آلۂ مکبّر الصّوت کے استعمال پر احقر کی آخری رائے

اس مسئلہ کے دو جز ہیں، ایک یہ کہ نماز میں آلہ مکبر الصوت کا استعمال کیسا

ہے، اس کا جواب اسی رسالہ میں اوپر لکھ چکا ہوں، کہ اس کے مفاسد اس کی مصلحت سے بہت زیادہ ہیں اثمھما اکبر من نفعھما کا مصداق ہے، اس کے استعمال پر پانچ مفاسد شدیدہ کی تفصیل گذر چکی ہے، اس لیئے نماز میں اس سے اجتناب کرنا چاہیئے، اور ترک و منع ہی کا فتویٰ دینا چاہیئے۔

دوسرا جزیہ ہے کہ اگر کسی نے کسی ضرورت یا مجبوری سے یا اپنی رائے سے اس آلہ کی آواز پر نماز پڑھ لی[۵]، تو اس کی نماز ہوگئی یا فاسد واجب الاعادہ ہے۔

اس معاملہ میں کافی غور و تفتیش و تحقیق اور علماء سے مراسلت و مراجعت کے بعد رائے احقر کی یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی، اعادہ لازم نہیں، اس کے وجوہ یہ ہیں:

(۱) فسادِ نماز کا حکم کرنے کی وجہ سابقہ فتویٰ میں اس کو قرار دیا ہے کہ اس آلہ کی آواز امام کی اصلی آواز نہیں بلکہ صدائے بازگشت کی طرح اس کی مثال و حکایت یا چربہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں، بلکہ خالص سائنس جدید کا مسئلہ ہے، اسی کے ماہرین سے اس کا حل ہوسکتا ہے۔

پہلی مرتبہ جب سیدی سندی حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے ماہرین سائنس سے اس کی تحقیق طلب فرمائی، تو صرف حیدرآباد دکن کے ایک جواب میں ایسا لکھا گیا تھا کہ یہ آواز بعینہٖ متکلم کی آواز نہیں ہوتی بلکہ اس کی شبیہ و حکایت ہے۔ اس کے علاوہ بھوپال کے جواب میں اظہار تردّد اور علی گڑھ یونیورسٹی کے جواب میں پورے وثوق کے ساتھ یہ بیان کیا گیا تھا کہ یہ آواز امام کی اصلی آواز بعینہٖ ہے، اور اب پاکستان، کراچی، ڈھاکہ وغیرہ میں اس کی مکرر تحقیق[۶] کے وقت سب

---

[۵] آج کل حرمین میں سب حجاج و زائرین کو یہ مجبوری پیش آتی ہے، [۶] ان جوابات کا خلاصہ آخر رسالہ میں بعنوان ضمیمہ شامل کردیئے گئے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائے جائیں ۱۲ منہ،

اعلیٰ ماہرینِ فن نے ایک ہی جواب دیا کہ یہ آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہے، بناءً علیہ اس آواز کا اتباع امام ہی کا اتباع ہے، اس لیے فسادِ نماز کی کوئی وجہ نہیں۔

(۲) عام احکام اسلامیہ شرعیہ کے ملاحظہ سے یہ امر متیقن ہے کہ جن مسائل کا تعلق فلسفیانہ تحقیق و تدقیق یا ریاضی کی باریکیوں یا اصطرلاب وغیرہ آلات سے ہے شریعتِ مصطفویہ نے سب میں حقائق کی تحقیق و تدقیق سے اغماض کر کے محض ظواہر پر احکام دائر فرمائے ہیں جن کو ہر خاص و عام، عالم جاہل، شہری اور جنگلی، آسانی کے ساتھ بدون استعانت آلات و حسابات معلوم کر کے خدا تعالیٰ کی طرف سے عائد شدہ فریضہ سے سبکدوش ہو سکے، رویتِ ہلال اور اختلاف مطالع کی بحث میں منجمین اور اہلِ ریاضی کی تحقیقات کو، سمتِ قبلہ میں اصطرلاب کے استعمال کو اسی بناء پر مسائل شرعیہ کی بنیاد نہیں بنایا گیا، بلکہ ہلال کا مدار رویت پر اور سمتِ قبلہ کا شہر کی قریبی مساجد پر پھر محاریب صحابہ پر رکھدیا گیا، حالانکہ یہ فنون اور اُن کے آلات عہدِ رسالت اور قرونِ مابعد میں بکثرت موجود و مروج تھے،

اس اصول کی بناء پر مسئلہ زیر بحث میں دو نتیجے نکلتے ہیں، اول یہ کہ عباداتِ خالصہ میں اس قسم کے آلات کا استعمال اصولاً پسندیدہ نہیں، جیسا کہ اس کی تفصیل اسی رسالہ کے شروع میں آچکی ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی نے ان آلات کو مسائل مذکورہ میں استعمال کر لیا تو اصل عمل کی صحت و عدم صحت کا مدار پھر بھی ان فنی تدقیقات پر نہیں بلکہ ظاہر حال ہی پر رہے گا، مثلاً اگر کسی شخص نے اصطرلاب وغیرہ کے ذریعہ سمتِ قبلہ قائم کرلی، تو شرعاً اس کی صحت و عدم صحت کا معیار فنِ اصطرلاب کی باریکیاں نہ ہوں گی، بلکہ وہی عام مساجد بلدہ کی موافقت و عدم موافقت پر مدار ہوگا،

مذکورالصدر اصول کے مطابق آلۂ مکبرالصوت کے ذریعہ سنائی دینے والی

آواز کو ظاہر و متعارف عوام کے موافق متکلم کی اصلی آواز ہی کہا جائے گا، گو فنی تدقیقات بالفرض یہی ثابت کریں کہ وہ اصل آواز نہیں، بلکہ اس کا عکس ہے، کیونکہ اس صورت میں اصل آواز اور اس آلہ کی آواز کا فرق اس قدر دقیق ہوگا کہ اس کو عوام تو کیا، خود ماہرین سائنس کو بھی واضح نہ ہوا، اسی لیے ان میں اختلاف رہا، تو ایسی تدقیقات فلسفیہ جن کا ادراک ماہر فن بھی مشکل سے کر سکیں، احکام شرعیہ کا مدار نہیں ہو سکتی، بلکہ ان احکام میں حسب ظاہر اس کو اصل متکلم ہی کی آواز قرار دیا جائے گا، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم،

مسئلہ مکبر الصوت کو مشہور جزئیات فقہیہ پر قیاس کرنا درست نہیں

(۳) دوسری وجہ جو مطبوعہ رسالہ صفحہ ۲۶ نمبر ۳ پر لکھی گئی ہے یہ ہے کہ آلہ مکبر الصوت کی آواز کو متکلم کی اصلی آواز نہ قرار دینے کی صورت میں فساد نماز کا فتویٰ اس کو بعض جزئیات فقہیہ پر قیاس کرنے کی وجہ سے ہو سکتا ہے، مثلاً کوئی شخص خارج نماز امام کو لقمہ دے اور امام لقمہ لے لے یا کوئی شخص نماز میں قرآن مجید کو دیکھ دیکھ کر تلاوت کرے تو فقہاء رحمہم اللہ نے اس کو تلقن من الخارج قرار دیکر اس کی اور تمام مقتدیوں کی نماز کو فاسد قرار دیا ہے۔ آلہ مکبر الصوت میں بھی جبکہ اُس کی آواز متکلم کی اصلی آواز نہ ہو یہ تلقن من الخارج پایا جاتا ہے اس لیے اس میں بھی نماز فاسد ہونا چاہیئے۔

لیکن یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ قیاس کرنے کے لیے دونوں میں مساوات شرط ہے، اور نظر غائر کے بعد دونوں مسئلوں میں بڑا فرق معلوم ہوتا ہے، اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، وجہ فرق یہ ہے کہ مسئلہ مُصرحہ فقہاء میں آواز دینے والا یا لقمہ دینے والا ایک انسان

مکلف خود مختار ہے، جو داخل نماز اور شریک جماعت ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور پھر داخل ہوئے بغیر تکبیریں پکار رہا ہے۔

اور مسئلہ مکبر الصوت میں آواز دور تک پہنچانے والا ایک آلہ بے جان بے حس و بے شعور ہے، نہ وہ دخول فی الصلوٰۃ کی صلاحیت رکھتا ہے، نہ اس کا مکلف ہے، منطقی اصطلاح میں عدم ملکہ اور عدم بسیط کا فرق ان دونوں میں واضح ہے، جس کا اثر مسئلہ پر یہ ہو سکتا ہے کہ انسان جو خود مختار اور مکلف ہے اس کا فعل اسی کی طرف منسوب ہے، بخلاف ایک آلہ بے حس وشعور کے کہ اس کا فعل اس کی طرف منسوب نہیں ہوتا بلکہ اس کے محرک کی طرف منسوب ہوتا ہے، گولی چلانے یا تیر و تلوار مارنے سے کوئی شخص ہلاک یا زخمی ہو جائے تو یہ شرعاً اور عرفاً چلانے والے کا فعل اور اسی کا جرم سمجھا جاتا ہے، گولی یا بندوق یا تیر و تلوار کی طرف کسی کا دھیان بھی نہیں جاتا، فقہاء کا مسلمہ ضابطہ ہے کہ جس کام میں کوئی فاعل مختار واسطہ بن کر مباشر عمل ہو تو فعل اس واسطہ کی طرف منسوب ہوجاتا ہے اور جہاں کوئی واسطہ غیر ذی شعور غیر مختار ہو تو فعل اصل محرک اور فاعل ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے واسطہ کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔

بنا بریں علیہ اگر ایک انسان مکلف و مختار خارج نماز کی آواز کے اتباع کو فقہاء نے مفسد نماز قرار دیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک آلہ بے حس وشعور کی آواز کا بھی یہی حکم ہو، کیونکہ وہ واسطہ محض ہے، اس کا فعل دراصل محرک آلہ کا فعل اور اسی کی طرف منسوب ہے، اس نظر فقہی کے اعتبار سے بھی آلہ مکبر الصوت سے نکلی ہوئی آواز امام ہی کی آواز قرار دی جائے گی، کیونکہ محرک اس کا وہی ہے، اگرچہ فنی طور پر یہ اس کی بعینہ آواز نہ ہو، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی آواز پر نقل و حرکت فساد نماز کا موجب نہیں ہوگی، ہاں قراءت من المصحف آلہ مکبر الصوت کے مسئلہ کی نظیر

ہو سکتی ہے مگر اول تو اس میں ائمہ کا خود اختلاف ہے اور جن حضرات کے نزدیک یہ مفسد نماز ہے اُن کے نزدیک بھی مطلقاً مفسد نہیں بلکہ جس صورت میں عمل کثیر تعلیم و تعلم کا پایا جائے وہ مفسد ہے آلہ مکبر الصوت کی آواز پر نقل و حرکت میں ایسا نہیں ہے (جس کی تفصیل ضمیمہ اولیٰ میں آتی ہے)۔

ایک شبہ کا جواب

بعض علماء نے نماز میں آلہ مکبر الصوت سے استفادہ کو قراءت من المصحف پر قیاس کر کے تلقن من الخارج میں داخل ہونے کی بنار پر نماز کو فاسد فرمایا ہے اُن کے الفاظ یہ ہیں:۔

"ظاہر ہے کہ آلہ مکبر الصوت کے ذریعہ سے آواز امام کو سن کر اس پر کاربند ہونا خارج کی دلالت و تلقین و تعلیم پر کاربند ہونا ہے چاہے وہ آواز عین آواز امام ہو یا غیر، جب وہ ہماری سماعت علم میں اس آلہ کے ذریعہ سے آتی، تو اس آلہ غیر شریک نماز کو اس آواز کی تعلیم و تلقین و دلالت میں دخل ہو گیا، اور اس آواز کی تعلیم و تلقین و دلالت کی نسبت اس آلہ کی طرف صحیح ہو گی (الی) اور اس کی دلالت کے مطابق کاربند ہونا تلقن من الخارج ہونے سے مفسد نماز ہوا۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ مصحف یا کسی دیوار کی کتابت سے استفادہ خود اُسی سے تلقن ہے لیکن اس پر اُس آلہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا جو خود قرآن نہ پڑھتا ہے نہ دکھاتا ہے پڑھنے والا امام ہے اُس سے آلہ متاثر ہو کر امام کی آواز پہنچا دیتا ہے اگر کسی خارج از نماز کا مطلق دخل تلقن من الخارج کے تحت میں داخل ہو کر مفسد نماز قرار دیا جائے تو بلا واسطہ مکبر الصوت جو آواز امام کی ہم تک پہنچتی ہے اس میں بھی ہوا کا واسطہ اور دخل ہے تو اس میں بھی نماز فاسد ہونی چاہیئے جس کا کوئی قائل نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً کسی واسطہ کا دخل تو مفسد نماز نہیں ہے بلکہ جس واسطہ کی طرف فعل کی نسبت کی جاسکے وہ مفسد نماز ہے، اور جہاں کوئی واسطہ واسطۂ محض ہو، جس کی طرف عرفاً و شرعاً فعل کی نسبت نہیں ہوتی، اس کا دخل مفسد نہیں، کیونکہ درحقیقت وہ تلقن من الخارج نہیں، بلکہ تلقن من الامام بواسطۃ الخارج ہے جس کی ایک نظیر بذریعہ عینک دیکھنا ہے، ایک ضعیف البصر آدمی جو بلا عینک کے صاف نہیں دیکھتا وہ عینک لگا کر کسی واقعہ کا مشاہدہ کرے، یا اس کے ذریعہ چاند دیکھ کر رویت کی شہادت دے تو کوئی اس کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے واقعہ کو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا، اسی طرح جو شخص بواسطۂ مکبر الصوت کسی کی آواز سامنے سے سن رہا ہے وہ شہادت بالسماع دے سکتا ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے اس کا یہ کلام سنا ہے، جس طرح دوربین یا عینک سے دیکھنا اصل واقعہ کا دیکھنا ہے اسی طرح مکبر الصوت سے سننا اصل آواز امام کا سننا ہے، یہ درمیانی وسائط واسطۂ محض اور ہدر ہیں، اُن کی طرف فعل کی نسبت نہیں ہو سکتی، اس لیے اس کے ذریعہ سُنی ہوئی آواز کا اتباع خارج سے تلقین و تعلیم کی حد میں داخل نہیں ہو سکتا، اور فساد نماز کا حکم نہیں کیا جا سکتا، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم،

آلۂ مکبر الصّوت کے مسئلہ کو سجدۂ تلاوت اور صوت صدی کے مسئلہ پر قیاس کرنا درست نہیں

(۴) تیسری وجہ یہ کہ مکبر الصوت کی آواز کو صدائے بازگشت پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں، کیونکہ صدائے بازگشت کا مسئلہ جس کی تصریح فقہاء کے کلام میں موجود ہے، وہ سجدۂ تلاوت کے باب میں وارد ہے، کہ کسی نے آیتِ سجدہ

اصل قاری کی زبان سے سننے کے بجائے گنبد یا کنویں کی بازگشت سے سنی، تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں، لیکن اِس کی تصریح کہیں فقہاء کے کلام میں نظر سے نہیں گذری، کہ اگر کسی مقتدی نے صوتِ صدا سن کر حرکاتِ انتقالیہ میں اس کا اتباع کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور سجدۂ تلاوت کے مسئلہ پر اس مسئلہ کا قیاس اس لیئے صحیح نہیں کہ مسئلہ سجدہ میں ایک عبادت یعنی سجدۂ تلاوت کا ایجاب مستقل ہے، جو حسبِ تصریح فقہاء آیت سجدہ کی تلاوت صحیحہ یا اس کے سننے پر موقوف ہے، اور حسب تصریح بدائع صوتِ صدی کو تو تلاوت ہی نہیں کہہ سکتے، اور کسی نے مجنون کی زبان سے آیتِ سجدہ سن لی، تو وہ اگرچہ تلاوت ہے مگر تلاوتِ صحیحہ نہیں، کیونکہ مجنوں تلاوت کی اہلیت نہیں رکھتا، اس لیئے اس سے آیتِ سجدہ سننے پر بھی سجدہ واجب نہیں ہوتا، (بدائع صفحہ ۱۸۶، جلد ۱)

بخلاف اس مسئلہ کے کہ مقتدی پر امام کی اتباع اور اس کے ساتھ رکوع وسجود میں منتقل ہونا پہلے سے لازم و واجب ہے، مکبر کی آواز اس کے واجب ہونے کا سبب یا علت نہیں، بلکہ مکبر کی آواز صرف انتقالِ امام کی خبر دینے والی ہے، اور امام کی حرکاتِ انتقالیہ پر اطلاع، جیسے عام طور پر امام کی آواز سے ہوتی ہے اسی طرح کبھی اگلی صف کی نقل وحرکت سے کبھی سایہ وغیرہ سے بھی ہو جاتی اور کبھی مکبر کے باوازِ بلند تکبیر کہنے سے بھی اور کبھی آلۂ مکبر الصوت سے کبھی، ہو جاتی ہے، بہر حال اتباع امام ہی کا ہوتا ہے، جو بسبب اقتداء پہلے ہی سے اس کے ذمہ لازم تھا، آواز مکبر یا مکبر الصوت کے سننے یا نہ سننے پر اس کا مدار نہیں، اس لیئے صوتِ صدی کا وجوبِ سجدہ میں اعتبار نہ کرنا اور چیز ہے اور اس کے ذریعہ انتقالِ امام پر استدلال کر کے نقل وحرکت کرنا دوسری چیز، خلاصہ یہ ہے کہ تحقیقاتِ سائنس سے قطع نظر اگر اس آواز کو امام کی اصل

"آواز نہ مانا جائے بلکہ مثل صوتِ صدی کے قرار دیا جائے تو خود مقیس علیہ میں بھی فساد صلوٰۃ کا حکم نہ فقہاء کی تصریح سے ثابت ہے، اور نہ اس کی وجہ فقہی ہو سکتی ہے، بلکہ اگر امام کی آواز کسی مقتدی کو بذریعہ صدی پہونچ جائے، اور مقتدی اس پر نقل و حرکت کرے تو اس میں بھی کوئی وجہ فساد کی نہیں معلوم ہوتی، پھر اس پر مکبر الصوت کو قیاس کر کے مفسد نماز کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم،

(۵) بعض اہلِ عصر کے فتاویٰ میں آلہ مکبر الصوت کے استعمال کو آیہ کریمہ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا کے خلاف قرار دے کر ناجائز بتلایا گیا ہے، یہ اس لیے صحیح نہیں کہ اولاً تو اس آیت میں قرأت کے ایک مسنون اور معتدل طریق کی تعلیم کی گئی ہے، اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ اگر کوئی شخص نماز میں جہر مفرط یا اخفائے مفرط کرنے لگے، تو اس کی نماز فاسد ہے، اس لیے ائمہ فقہاء میں سے کسی کا یہ مذہب نہیں کہ نماز میں جہر مفرط یا اخفائے مفرط مفسدِ نماز ہے اس لیے اس آیت کی بناء پر فساد نماز کا حکم کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔

ثانیاً اس آلہ کے لیے جہر مفرط لازم بھی نہیں، کیونکہ اس سے جس طرح آواز بلند سے بلند نکالی جا سکتی ہے اسی طرح معتدل آواز بھی نکالی جا سکتی ہے، اس لیے اس کے استعمال کو مدلول آیت کے منافی قرار دینا صحیح نہیں، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم،

یہ وجوہ ہیں جن کی بناء پر آلہ مکبر الصوت کے نماز میں استعمال سے فساد نماز اور اعادہ کا حکم نہ ہونا چاہیئے۔ ھذا ما سنح لی واللہ سبحانہ و تعالیٰ ولی التوفیق والسداد، اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ،

آخر میں یہ عرض ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اپنی ناقص تحقیق اور ناقص فہم پر اس کا مدار ہے، اگر کسی صاحب کو اس کے خلاف کوئی دوسری صورت راجح معلوم ہو وہ دوسرے علماء سے تحقیق کر کے عمل کریں، واللہ الموفق والمعین،

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ کراچی ۱۰ - ارشعبان ۱۳۷۲ھ م ۲۵ راپریل ۱۹۵۳ء

عرضِ مؤلّف

زیر نظر رسالہ کے مباحث میں اہم مبحث یہ تھا کہ آلہ مکبر الصوت کا استعمال نماز میں مفسد نماز نہیں ہے اس کے لیے احقر نے اس رسالہ میں پانچ وجوہ بیان کیے ہیں۔ لیکن اس رسالہ کی طباعت اول کے وقت مقامی ماہرین سائنس کی تحقیق سے یہ اطمینان ہوگیا تھا کہ اس آلہ کی آواز بعینہ متکلم کی آواز ہے اور اس صورت میں فساد نماز کا احتمال ہی نہیں رہتا اس لیے باقی وجوہ جن میں اس کی آواز کو غیر آواز متکلم ہونے کی صورت میں بھی فساد نماز نہ ہونے کے دلائل تھے اُن پر تفصیلی بحث کی ضرورت نہ سمجھی گئی تھی لیکن رسالہ کی اشاعت کے بعد چند علماء کی طرف سے ایسی تحریرات وصول ہوئیں جن میں اعلیٰ ماہرین صوتیات کے اقوال سے اس کی آواز کا غیر آواز متکلم ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی احقر کے اس رسالہ پر بعض تنقیدات بھی تھیں اس لیے باقی وجوہ کی مزید توضیح کی ضرورت پیش آئی جو بصورت ضمیمہ اولیٰ اس کے بعد درج کیا جاتا ہے اور ماہرین صوتیات کی پوری تحریر ضمیمہ ثانیہ میں شامل کر دی گئی ہے۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

ضمیمہ اولیٰ

رسالہ مکبّر الصوت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ عدد خلقہ وزنۃ عرشہ ومداد کلماتہ ورضا نفسہ والصلوٰۃ والسّلام علیٰ خیر خلقہ وصفوۃ رسلہ محمّد وصحبہ اللّٰھم ربّ جبرئیل ومیکائیل واسرافیل فاطر السمٰوات والارض عالم الغیب والشہادۃ انت تحکم بین عبادک فیما کانوا فیہ یختلفون اھدنی لما اختلف فیہ من الحق باذنک انک تھدی من تشاء الیٰ صراط مستقیم۔

نماز میں آلۂ مکبّر الصوت کے استعمال سے متعلق جو میرا آخری رسالہ ۱۳۷۲ھ میں کراچی سے شائع ہوا تھا اس میں فسادِ نماز کے پچھلے فتوے سے رجوع کر کے یہ لکھا گیا تھا کہ اگرچہ مفاسد عارضہ کے سبب اس کا نماز میں استعمال مناسب نہیں اُس سے اجتناب ہی کرنا چاہیئے لیکن اگر کہی ایسی جگہ شرکتِ جماعت کا اتفاق ہوگیا جہاں اس آلہ کی آواز پر نقل وحرکت کی جاتی ہے تو اب تحقیق یہ ہے کہ نماز کو فاسد نہ کہا جائے گا۔ اس جدید تحقیق کی چند وجوہ تھیں جن کو تفصیل کے ساتھ اس رسالہ میں درج کرکے اشاعت سے پہلے اکابر علمائے دیوبند وسہارنپور، خیر المدارس ملتان

جامعہ اشرفیہ لاہور، وغیرہ بھیج دیا تھا۔ ان سب اکابر علماء نے غور و فکر سے پورے رسالہ کو پڑھ کر اصل فتویٰ میں موافقت فرمائی تب اس رسالہ کو شائع کیا گیا اور ان حضرات کی تحریرات بلفظہا اس رسالہ کے ساتھ شائع کر دی گئی تھیں۔

ان وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فساد نماز کے حکم کا مدار اس پر ہے کہ اس آلہ کی آواز کو اصل متکلم کی بعینہٖ آواز نہ مانا جائے بلکہ اس کی شبیہ اور مثال یا چربہ قرار دیا جائے۔

اس آواز کا متکلم کی بعینہٖ آواز ہونا یا اس کا چربہ ہونا یہ ایک فنی مسئلہ ہے جس کا تعلق سائنس جدید سے ہے اسی لیے پچھلے فتویٰ کے وقت بھی حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اس فن کے جاننے والوں کی طرف رجوع کر کے تحقیق فرمائی اور ان میں اختلاف رہا تھا اس لیے رسالہ لکھنے کے وقت احقر نے مزید تحقیق سرکاری طریقوں پر ان لوگوں سے حاصل کی جن کو اس کام کا ماہر سمجھا جاتا ہے ان سب نے متفقہ طور پر اس کو عین آواز متکلم قرار دیا۔ اس لیے رسالہ مذکورہ میں جن چار وجوہ کی بناء پر فساد نماز کے حکم سے رجوع کیا گیا، اُن میں سے پہلی وجہ یہی تھی کہ تحقیق جدید سے اس کا عین آواز امام ہونا ثابت ہو گیا اس لیے فساد صلوٰۃ کے حکم کی بناء ہی منہدم ہو گئی اس کے علاوہ احقر نے تین وجوہ اور بھی لکھی تھیں کہ جن کی رُو سے اس کو آواز امام کا غیر یا چربہ اور مثال ہی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی فساد نماز کا حکم نہیں کیا جا سکتا، یہ تینوں وجوہ مطبوعہ رسالہ کے ص۲۲ سے ص۲۵ تک مفصل مذکور ہے۔ ان کو مکرر دیکھ لیا جائے۔

اس رسالہ کو بہت سے اکابر علماء کی خدمت میں اشاعت سے پہلے ہی بھیج کر ان کی تصدیق کے بعد اپنا اطمینان کیا پھر اشاعت کے بعد اطراف پاک و ہند کے علماء و فضلاء تک پہونچا یا ان میں سے چند حضرات نے سائنس کی

اس جدید تحقیق سے اتفاق نہیں کیا جو کراچی کے ماہرین سے حاصل کی گئی تھی بلکہ اس کے خلاف دوسرے ماہرین صوتیات کے اقوال نقل کیے جن کا حاصل یہ تھا کہ مکبر الصوت کے ذریعے پہونچنے والی آواز بعینہ متکلم کی آواز نہیں بلکہ اس میں بہت سے تصرفات و تغیرات درمیان میں ہوتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک مفصل تحریر مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب رح واصف صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ امینیہ دہلی سے بھیجی۔ اور ایک تحریر[ؔ] مولانا قاضی شمس الدین صاحب نے ہری پور ہزارہ سے روانہ فرمائی۔ ان دونوں کا حاصل یہی تھا کہ اس آلہ کی آواز عین آواز متکلم نہیں ہے۔ بہرحال معاملہ پھر وہیں آگیا کہ جدید سائنس کے ماہرین کی آراء اس بارہ میں مختلف ہیں ان دونوں تحریروں میں احقر کے رسالہ پر کچھ اور تنقیدات بھی تھیں جن میں سے بعض کا تعلق بعض جگہ ان شبہات سے تھا جو میری تحریر کے ابہام و اجمال سے پیدا ہوئے تھے اور کہیں تسامح و اختلاط سے۔ ان کو بغور دیکھکر جن چیزوں کا قابل اصلاح و ترمیم ہونا سمجھ میں آگیا ان کی اصلاح کر دی گئی اور جن چیزوں میں دوسری طرف کوئی مغالطہ معلوم ہوا اس کا جواب لکھ کر رسالہ کو طول دینا مفید نظر نہ آیا، ہاں قابل غور و تحقیق ہے تو اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر بالفرض سائنس کی اسی تحقیق کو صحیح مان لیا جائے کہ یہ آواز اصل متکلم کی آواز نہیں ہے تو پھر آلہ مکبر الصوت کی آواز پر نماز میں نقل و حرکت کرنے والوں کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں اس کے متعلق احقر نے اپنے اصل رسالہ میں بھی واضح طور پر لکھدیا تھا کہ فساد نماز کا حکم پھر بھی نہیں ہونا چاہیے لیکن اس کے وجوہ و دلائل پر زیادہ زور اس لیے نہیں دیا تھا کہ

ؔ یہ تحریر بھی رسالہ ہذا کے ضمیمہ ثانیہ میں پوری شائع کر دی گئی ہے ۱۲ منہ

اُس میں نئی تحقیقات نے فسادِ صلوٰۃ کے حکم کی بنیاد ہی کو منہدم کردیا تھا اب جبکہ دوسرے ماہرین کے اختلاف نے اس معاملہ کو پھر غور طلب بنادیا تو مناسب معلوم ہوا کہ ان دلائل کی پوری وضاحت کردی جائے جن کی بناء پر احقر نے پچھلے رسالہ میں لکھا تھا کہ فسادِ نماز کا حکم بہرحال نہیں ہونا چاہیئے خواہ یہ آواز متکلم کی بعینہٖ آواز ہو یا اس کے غیر یعنی شبیہہ و مثال۔

اس توضیح کا تعلق اس وجہ کے ساتھ ہے جس کو اصل رسالہ کے صفحہ ۲۶ پر ۳ کے عنوان سے لکھا گیا ہے جس میں بعض جزئیاتِ فقہیہ کے حوالہ سے اس مسئلہ پر بحث کی گئی ہے یہاں ان جزئیاتِ فقہیہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے تاکہ مسئلہ کی پوری حقیقت واضح ہوجائے۔ واللہ الموفق۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ یہ آلہ نہ تو عہدِ نبوی م و خلافتِ راشدہ میں موجود تھا کہ اس کا کوئی واضح حکم قرآن و سنت میں مذکور ہوتا اور نہ ائمہ مجتہدین کے دور میں موجود تھا کہ ان کے کلام میں ہی کوئی واضح حکم اس کا مل جاتا، آج کے اہلِ علم و اہلِ فتویٰ کے لیئے صرف یہی اصول کار ہوسکتا ہے کہ قرآن و سنت اور اقوالِ ائمہ میں ایسی نظیریں تلاش کریں جن سے اس آلہ کی آواز کا حکم معلوم ہوسکے۔

فقہاء متاخرین میں سے علامہ ابن عابدین شامی نے ردالمحتار میں نیز اپنے ایک مستقل رسالہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ بڑی جماعتوں میں جہاں یہ طریقہ جاری ہے کہ امام کی تکبیرات کو کوئی مقتدی بآوازِ بلند پکار دیتا ہے جس کو عرف میں مکبر یا مبلغ کہتے ہیں پچھلی صفوں کے مقتدی جو کہ امام کی آواز نہیں سنتے اس کی تکبیر پر رکوع وسجدہ وغیرہ کرتے ہیں اس کے لیئے شرط یہ ہے کہ یہ مکبر یا مبلغ تکبیر تحریمہ میں نیت تکبیر تحریمہ کی کرے اور ساتھ ہی بلند آواز سے کہنے کا یہ مقصد بھی ہو کہ پچھلی صفوف کے لوگ باخبر ہوجائیں اور اگر اس نے

صرف دوسروں کو اطلاع دینے ہی کی نیت کی خود اپنی تکبیر تحریمہ کی نیت نہیں کی تو اس کی نماز نہیں ہوئی۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہے وہ فرض نیت نہ کرنے کی وجہ سے ادا نہیں ہوا اور جب اس کی نماز صحیح نہ ہوئی تو یہ نماز سے خارج رہا اب جن لوگوں نے اس کی آواز پر تکبیر تحریمہ کہی انھوں نے اس شخص کا اتباع کیا جو نماز میں داخل نہیں ہے۔ لہذا ان کی بھی نماز نہ ہوئی۔

اس جگہ علامہ شامی اور حموی وغیرہ نے اس کی بھی تصریح کردی کہ اس مسئلہ میں نماز کو فاسد کہنے کی بنیاد اس اصول پر رکھی گئی ہے کہ نماز کے اندر کسی ایسے شخص کا جو شریکِ نماز نہ ہو اتباع کرنا مفسدِ نماز ہے یہ قریب ترین جزئیہ فقہیہ ہے جو مسئلہ زیر بحث کی بنیاد بن سکتا ہے جس کو عمدۃ المتاخرین علامہ شامی نے نقل کیا ہے۔ اور جن حضرات نے آلہ مکبر الصوت کی آواز کے اتباع کو مفسدِ نماز قرار فرمایا ہے ان کا استدلال اسی جزئیہ سے ہے اس جزئیہ فقہیہ کی پوری تنقیح و تحقیق کرلی جائے تو مکبر الصوت کا مسئلہ بآسانی حل ہو سکتا ہے۔

تحقیق یہ کرنا ہے کہ یہ مسئلہ اور اس کا بنیادی اصول خود امام اعظم ابو حنیفہ رح اور دوسرے ائمہ مجتہدین سے صراحۃً منقول اور منصوص ہے یا ان کے کسی اشارہ سے متاخرین نے استخراج کیا ہے اور یہ کہ اگر مجتہدین سے منقول ہے تو سب اس پر متفق ہیں یا اس میں کوئی اختلاف ہے۔ نیز اگر متاخرین کا استخراج ہے تو سب اس پر متفق ہیں یا ان میں بھی اختلاف ہے اور یہ کہ یہ استخراج ائمہ مجتہدین کی کس نص سے متعلق ہے اور وجہ استخراج کیا ہے۔ اور حضرات مجتہدین کی یہ نص ادلہ شرعیہ میں سے کس دلیل پر مبنی ہے اس مسئلہ کی تنقیح کے بعد پھر یہ دیکھنا ہے کہ آلہ مکبر الصوت پر یہ جزئیہ منطبق

ہوتا ہے یا نہیں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو ایک مستقل رسالہ میں تحریر فرمایا ہے جس کا نام ہے تنبیہ ذوی الافہام علیٰ احکام التبلیغ خلف الامام۔ یہ رسالہ رسائل ابن عابدین مطبوعہ استنبول میں شامل ہے اس میں علامہ موصوف نے خود تصریح فرمادی ہے کہ یہ مسئلہ خود امام اعظم یا ائمہ مجتہدین سے منقول و منصوص نہیں بلکہ متاخرین میں سے یہ بھی صرف حموی رح نے شیخ الشیوخ غزی رح کے حوالہ سے لکھا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں۔ ولم ار من صرّح بخصوص مسئلتنا سوی ما مرعن الحموی رسائل ابن عابدین صنا۔

البتہ اس مسئلہ کی بنیاد جن اصول اور کلیات پر رکھی گئی ہے کہ نماز کے اندر خارج نماز شخص کا اتباع مفسد نماز ہے اس کی بہت سی مثالیں کتب فقہ میں مذکور و موجود ہیں مگر ان میں سے بہت سی مثالوں میں سے فقہاء کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اس لیے مطلقاً اتباع خارج کو مفسد نماز کہدینا صحیح نہیں ا[ل]ک تحقیق کرنا لازمی ہے کہ اتباع خارج یا تلقن من الخارج کو موجب فساد قرار [ع]لت پر مبنی ہے اور وہ علّت کہاں پائی جاتی ہے کہاں نہیں۔ اور آلۂ [...] کی آواز میں وہ علت موجود ہے یا نہیں۔ اس لیے ہم پہلے ان جزئیات [...] لیتے ہیں جن میں خارج نماز شخص کا اتباع لازم آتا ہے۔ اور ان جزئیات [فق]ہاء کی آراء اور احکام ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں۔ جزئیات اس کی بہت ہیں سے چند کا ذکر بقدر ضرورت کیا جاتا ہے وہ یہ ہیں:-

[۱)] ایک نمازی کو کسی ایسے شخص نے جو نماز میں شریک نہیں سلام کیا نمازی [نے ہاتھ] یا سر کے اشارہ سے جواب دے دیا۔

[۲)] ایک خارج نماز شخص نے کسی نماز پڑھنے والے کو روپیہ دکھلا کر پوچھا

کہ یہ کھرا ہے یا کھوٹا، اس نے نفی یا اثبات کا اشارہ کر کے جواب دے دیا۔

کبیری شرح منیہ میں حلبی نے دونوں کے متعلق لکھا ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوئی۔

(۳ و ۴) شرح منیہ ہی میں کتاب المتجانس کے حوالہ سے اس کی دو مثالیں اور نقل کی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی خارج نماز شخص نے نماز پڑھنے والے سے کہا کہ آگے بڑھ جاؤ وہ آگے بڑھ گیا۔ مقصد یہ ہے کہ اس کو آگے بڑھا کر امام بنا دے اور خود اس کا مقتدی ہو کر جماعت کرے۔ (صرح بہ فی رد المحتار) اس کے ساتھ ایک اور جزئیہ یہ ہے۔ کہ کوئی شخص جماعت میں شرکت کے لیے ایسے وقت پہنچا جبکہ اگلی صف بھر چکی ہے اور پچھلی صف میں یہ اکیلا ہے تو اس کو چاہیئے کہ اگلی صف میں سے کسی کو کھینچ کر پیچھے لے آئے اور نمازی کو چاہیئے کہ اس کے کہنے سے پیچھے آ جائے اس کو جمہور فقہا نے جائز رکھا ہے۔ اصح اسی کو قرار دیا ہے کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی کما فی باب الامامۃ من رد المحتار عن المنح ص۵۳۳ ج اوّل۔

دوسرے یہ کہ صف کے درمیان میں کوئی خلا باقی تھا اس کو پورا کرنے کے لیے کوئی شخص اس خلا میں داخل ہو گیا۔ اور پاس والے نمازیوں نے دائیں بائیں ہٹ کر اُس کو جگہ دے دی اس میں بھی اتباع غیر امام پایا جاتا ہے مگر ان دونوں جزئیات کے متعلق فقہاء رحمہم اللہ کے مختلف اقوال ہیں اور صحیح و مختار یہ قول ہے کہ مفسد نماز نہیں۔

اور ان تینوں جزئیات میں جن حضرات نے فساد نماز کا حکم نہیں کیا اس کی علت یہ قرار دی ہے کہ ان میں دراصل اتباع یا جواب اس شخص کا نہیں بلکہ امر رسول اللہ کا اتباع ہے جس میں آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ صفوں کے درمیانی خلاء کو پورا

کر دیا کیلئے صف کے پیچھے کھڑے نہ ہو یا یہ کہ اگر صرف دو آدمی ہوں تو وہ بھی
جماعت اس طرح کر سکتے ہیں کہ ایک ذرا آگے کھڑا ہو جائے اور مقتدی اس
کے داہنے طرف ذرا پیچھے۔ یہ احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں جو قولاً
یا عملاً بتلائے گئے ہیں، جس نمازی نے کسی کے کہنے یا اشارہ کرنے سے آگے
پیچھے یا دائیں بائیں ہٹنے کا عمل کیا اس نے درحقیقت اس شخص کا اتباع نہیں بلکہ
امر نبوی کا اتباع کیا ہے کما صرّح به الطحطاوی فی شرح الدر ص۲۴۷ ج
اول، جزئیات مذکورہ کے متعلق فقہاء کی تصریحات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) کبیری شرح منیہ میں ہے ولو ردّ المصلی السلام بیدہ او برأسہ
وطلب منہ شیئ فاومی برأسہ او عینیہ او حاجبیہ او قال نعم
ولا فان صلوتہ لا تفسد بذلک۔

(۲) وکذا لو اراہ انسان درھما وقال اجید ھو فاومی بنعم
ولا لعدم العمل الکثیر فی جمیع ذلک۔

(۳) وفی احکام القرآن للحلوانی ولا بأس للمصلّی ان یجیبہ
برأسہ ذکرہ الزاھدی۔

(۴) وذکر عن کتاب التجانس لو قیل للمصلّی تقدم فتقدم۔

(۵) او دخل فرجۃ الصف احد فتجانب المصلّی توسعۃ لہ
فسدت صلوتہ لانہ امتثل غیر امر اللہ تعالیٰ فی الصلوٰۃ وینبغی
ان یمکث ساعۃ ثم یتقدم برأیہ قال۔ یعنی نفسہ۔ فالاجابۃ
بالرأس او بالید مثلہ۔ انتہی۔

(۶) وقد یفرق بانہا لیس فیہا امتثال امر (شرح منیہ مجتبائی
ص۴۲۱) اور علامہ شامی نے اپنے رسالہ تنبیہ میں شرح منیہ کی یہ عبارت لکھنے

کے بعد لکھا ہے والمصرح بہ ان الاجابۃ بالرأس لا باس بہا صنا ؎ اور بحر الرائق میں لکھا ہے لم یعرف ان احدا من اہل المذہب نقل الفساد فی رد السلام بانیہا۔ (بحر ص ۹ ج ۲) اور درمختار نے یہ جزئیات تین جگہ لکھے ہیں ایک باب الامامۃ میں اور دو جگہ مفسدات صلوٰۃ میں باب الامامۃ میں یہ جزئیات نقل کر کے لکھا ہے۔

(۷) لکن نقل المصنف وغیرہ عن القنیۃ وغیرہا ما یخالفہ ثم نقل تصحیح عدم الفساد فی مسئلۃ من جذب من الصف فتاخر فہل ثم فرق فلیحرر۔ اھ

اس پر علامہ شامی اور طحطاوی کی تحقیقات حسب ذیل ہیں:۔

(۸) قال۔ ط۔ قولہ (ما یخالفہ) من فساد الصلوٰۃ بہ لانہ امتثل امر اللہ علی لسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی لا ینطق عن الھوی۔ (قولہ فلیحرر) حرر الشرنبلالی فی شرح الوھبانیۃ فانہ بعد ما ذکر الحدیث الذی ذکرہ الشارح قال وبہ یندفع ما نقل عن کتاب یسمی المتجانس انہ اذا قیل لمصلٍ تقدم فتقدم او دخل فرجۃ الصف احد فتجانب المصلی توسعۃ لہ فسدت صلوٰتہ لانہ امتثل امر غیر اللہ فی الصلوٰۃ لان امتثالہ انما ھو لامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا یضر اھ ما للشرنبلالی وما نقل عن القنیۃ انما ھو عین ما عن المتجانس۔ حلبی۔ اقول لو قیل بالتفصیل بین کونہ امتثل امر الشارع فلا تفسد وبین کونہ امتثل امر الداخل مراعاۃ لخاطرہ من غیر نظر الی امر الشارع فتفسد۔ لکان حسناً (طحطاوی علی الدر ص ۲۴۷ ج ۱)۔

(۹) علامہ شامی نے بھی اس جگہ مصنف کا قول منح سے یہ نقل کیا ہے کہ لوجذ بہ آخر فتاخر الاصح لا تفسد صلوٰتہ

(۱۰) اور بحر الرائق باب الامامۃ میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف نقل کرنے کے بعد لکھا والاصح انہ لا تفسد صلوٰتہ (بحر ص۳۷۴ ج۱)

(۱۱) نیز بحر الرائق باب الامامۃ میں اس کے بعد لکھا ہے کہ صف کے درمیان کوئی خلا دیکھ کر باہر سے آنے والا جب اس میں داخل ہو تو نمازیوں کو چاہیئے کہ اُس کو جگہ دینے کے لیئے دائیں بائیں کچھ سرک جائیں بحر ص۳۷۵ اس جگہ قنیہ اور کتاب المتجانس کے دونوں جزئیات کے بارہ میں درمختار نے مصنف کی طرف سے عدم فساد کی تصحیح نقل کرنے کے بعد خود کوئی فیصلہ نہیں کیا بلکہ نقل بحرٌ کہہ کر فقہاء کو دعوتِ فکر دے دی اور شرنبلالی نے واضح کردیا کہ ان صورتوں میں فسادِ نماز کا حکم صحیح نہیں ہے۔ اور علّت یہ قرار دی کہ اس میں دراصل اس شخص کا اتباع نہیں جس نے مقتدی کو آگے پیچھے ہونے کا اشارہ کیا ہے بلکہ امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا ہے۔

اور طحطاوی رح نے بہت معتدل فیصلہ یہ فرمایا ہے کہ مدار ہٹنے والے کی نیت پر ہے اگر محض آنے والے کی خاطر آگے پیچھے یا دائیں بائیں ہٹ گیا تو نماز فاسد ہوگئی کیونکہ اس نے نماز میں امر غیر اللہ کا اتباع کیا اور اگر اس کی خاطر نہیں بلکہ یہ سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہی ہے کہ جب کوئی مقتدی صف کے اندر گنجائش دیکھ کر بیچ میں داخل ہونا چاہے تو کچھ سمٹ کر یا دائیں بائیں ہٹ کر اُس کو جگہ دے دو۔ اسی طرح اگر پچھلی صف میں صرف ایک آدمی ہے وہ اگلی صف کے کسی آدمی کو پیچھے ہٹانے کا اشارہ کرے۔ اور وہ ہٹ جائے تو اس میں اگر امر الٰہی سمجھ کر ہٹا، نماز میں کوئی فساد

نہیں اور اگر صرف آنے والے کی خاطر سے ہٹا تو بے شک نماز فاسد ہو گئی۔
اور علامہ شامی رح نے بھی اس جگہ تقریباً وہی بات فرمائی جو طحطاوی نے لکھی۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے فتوی مندرجہ امداد الفتاوٰی جلد اول صـ میں طحطاوی کے اس فیصلہ کو بہت مستحسن قرار دیا ہے۔ اسی طرح مفسدات الصلوٰۃ درمختار میں جہاں ان جزئیات کا ذکر آیا تو علامہ شامی رح نے اس پر لکھا۔ وقدمنا عن الشرنبلالی عدم الفساد وتقدم الکلام علیہ ھنالک۔

تیسری جگہ مفسدات صلوٰۃ ہی کے آخر باب میں درمختار نے ان جزئیات کو دہرایا تو وہاں یہ الفاظ لکھے۔ امالوقیل تقدم فتقدم اودخل فرجۃ الصف فوسع لہ فوراً فسدت صلوٰتہ، ذکرہ الحلبی وغیرہٗ خلافاً لما مرّ عن البحر اھ،

اس جگہ طحطاوی نے ان دونوں جزئیوں کے متعلق یہ الفاظ تحریر فرمائے (قولہ خلافاً لما مر عن البحر) من عدم الفساد وھو المعتمد۔ طحطاوی صـ۲۷۲ ج ۱۔

ان پانچوں جزئیات میں اتنی بات قدر مشترک ہے کہ نمازی نے خارج نماز شخص کے کہنے پر نقل وحرکت کی۔ اور محققین فقہاء نے ان پانچوں صورتوں میں صحیح اور راجح اس کو قرار دیا کہ نماز فاسد نہیں ہوئی۔ البتہ شرح منیہ میں پہلے دو اور آخر کے تین جزئیات میں بطور احتمال کے ایک فرق کا ذکر کیا ہے کہ ابتدائی دونوں جزئیے جن میں نمازی نے خارج نماز شخص کی بات کا جواب سر یا ہاتھ کے اشارہ سے دیا ہے ان میں جواب تو ہے مگر اتباع یا امتثالِ امر نہیں ہے۔ اور آخری تین جزئیات میں اتباع اور امتثالِ امر بھی ہے۔ مگر حسب تصریحات

مذکور الصدر اس اتباع و امتثال کو بھی فقہاء نے اس بنیاد پر جائز رکھا کہ یہ اتباع درحقیقت اُس شخص کا نہیں جو خارج نماز ہوتے ہوئے اُس کام کے لیئے کہہ رہا ہے بلکہ اتباع امر شارع ؑ کا ہے جو تسویہ صفوف کے بارہ میں وارد ہوا ہے۔

آلۂ مکبّر الصّوت

اب ان نظائر فقہیہ کو دیکھنے اور ان کے متعلق فقہاء کی تصریحات کو جاننے کے بعد اپنے مسئلہ زیر بحث پر نظر ڈالیئے کہ اُس میں علتِ فساد کیا چیز ہو سکتی ہے یہ ظاہر ہے کہ اس کی آواز کو اگر عین متکلم کی آواز قرار دیا جائے جیسا کہ بہت سے ماہرین سائنس کا قول ہے تو فساد صلوٰۃ کی کوئی وجہ کسی درجہ میں بھی نہیں ہو سکتی اور اگر اس کو دوسرے ماہرین سائنس کے قول کے مطابق متکلم کی آواز سے الگ غیر آواز قرار دیں تو فساد صلوٰۃ کی وجہ یہ کہی جا سکتی ہے کہ اس کی آواز کا اتباع غیر امام یا خارج شخص کی آواز کا اتباع ہے۔

لیکن خارج شخص کے اتباع کے متعلق مذکور الصدر پانچ جزئیاتِ فقہیہ میں آپ معلوم کر چکے کہ فقہاء کے نزدیک راجح اور صحیح قول یہی ہے کہ اس اتباع میں جہاں امر غیر اللہ کا اتباع مقصود نہ ہو تو صرف اس وجہ سے کہ کسی خارج شخص کے کہنے یا اس کے اشارہ کرنے پر نقل و حرکت کی گئی اُس کو مفسد نماز کہنا صحیح نہیں

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آلہ مکبر الصوت کی آواز پر تکبیر تحریمہ یا تکبیراتِ انتقالیہ ادا کرنے میں اس کا دُور دُور بھی کوئی احتمال نہیں کہ اس آلہ کی خاطر سے اس کا اتباع کیا جا رہا ہے یہاں تو بجز اتباع امر اللہ کے اور کوئی احتمال ہی نہیں کہ نماز پڑھنے والا امر الٰہی کے تابع تکبیر تحریمہ اور دوسری تکبیرات امام کے ساتھ کہنا چاہتا ہے مگر اس کو امام کا حال بوجہ دور ہونے کے معلوم نہیں۔ آلہ مکبر الصوت کی آواز نے اس کو یہ خبر دی کہ اب امام نے تکبیر تحریمہ کہی ہے اب رکوع میں گیا ہے اب سجدہ

ہیں جا رہا ہے۔ اس کی آواز کے ذریعہ نمازی باخبر ہو کر امر آلٰہی کی اطاعت بجالاتا ہے تو اس میں کوئی وجہ فساد نماز کی نہیں ہو سکتی۔ امر آلٰہی اس کے متعلق وارکعوا مع الراکعین ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔

انما جعل الامام لیؤتم به فاذا رکع فارکعوا واذا سجد فاسجدوا۔ الحدیث بخاری و مسلم

امام اسی لئے تو بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے تو جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو، جب وہ سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو۔

حلبی نے شرح منیہ میں اور طحطاوی رح اور شامی رح نے شرح درمختار میں یہ بات واضح کردی ہے کہ مطلقاً کسی خارج شخص کا اتباع مفسد نماز نہیں ہو سکتا جب تک اس میں امر غیر اللہ کا اتباع مقصود نہ ہو۔ آلہ مکبر الصوت کی آواز پر نقل و حرکت میں حکم اللہ کے اتباع کا احتمال ہی نہیں، اس سے واضح ہو گیا کہ ان سب فقہاء کے اقوال کے مطابق آلہ مکبر الصوت کی آواز پر نقل و حرکت کرنے میں فسادِ نماز کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

خود علامہ شامی نے اپنے رسالہ تنبیہ میں جو خاص اسی مسئلہ مکبّر یا مبلغ کے لیے لکھا ہے اگرچہ خارج نماز کی آواز پر تکبیر تحریمہ کہنے کو حموی کے حوالہ سے مفسد نماز لکھا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اسی رسالہ میں یہ بھی لکھدیا ونقل عن ذلک الکتاب ان الاجابۃ بالرأس لا بأس بھا ولم ار من صرح بخصوص مسئلتنا سوی ما مرّ عن الحموی وھذا الفرع اشبہ بھا من غیرہ لان الاجابۃ فیھما بالفعل

(ترجمہ) یعنی شارح منیہ نے اسی کتاب المتجانس سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سر یا ہاتھ سے کسی بات کا جواب دینا بھی کسی کے کہنے سے آگے پیچھے ہو جانے

کی طرح ہے لہذا یہ بھی مفسد نماز ہونا چاہیئے۔ لیکن شارح منیہ نے المتجانس کا یہ کلام نقل کر کے خود اس کو تسلیم نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ ان دونوں میں یہ فرق کیا جا سکتا ہے کہ سر یا ہاتھ سے اشارہ کی صورت میں دوسرے کا حکم ماننا یا اتباع کرنا متحقق نہیں

پھر علامہ شامی رح نے شارح منیہ کے اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ حضرات فقہاء کی تصریحات اسی پر شاہد ہیں کہ سر یا ہاتھ کے اشارہ سے جواب دینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور مسئلہ زیر بحث یعنی مکبر خارج نماز کی آواز پر نقل و حرکت کو مفسد نماز قرار دینے کا قول میں نے سوائے حموی رح کے اور کسی سے منقول نہیں دیکھا۔ اور مکبر خارج نماز کا مسئلہ سر یا ہاتھ کے اشارہ کے مسئلہ کے ساتھ بہت اشبہ اور ملتا جلتا ہے۔ کیونکہ اس میں بھی زبان سے کسی بات کا جواب نہیں بلکہ صرف عمل سے ہے۔ علامہ شامی رح کی تحریر مذکور سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ مکبر خارج نماز کی تکبیر پر نقل و حرکت کرنے سے فساد نماز کا حکم صریح طور پر صرف علامہ حموی رح نے لکھا ہے۔

دوسرے یہ کہ جو کچھ علامہ حموی رح نے لکھا ہے وہ بھی از روئے دلیل ایسی قطعیت نہیں رکھتا کہ اس میں دوسری رائے کی گنجائش نہ ہو۔ بلکہ اس مسئلہ کو اشارہ بالید و بالرأس کے ساتھ اشبہ فرمایا ہے جس میں جواز نماز کا حکم واضح اور راجح نہیں اور یہ سب بحث دوسری صورت میں ہے جب کہ مکبر کوئی ذی روح متحرک بالارادہ ہے جس کی حرکت شرعاً و عقلاً اسی کی طرف منسوب ہوتی ہے اور جہاں مکبر کوئی آلہ بیجان ہی جس کی حرکت شرعاً و عقلاً محرک کا عمل سمجھی جاتی ہے تو معاملہ اور بھی آسان ہو جاتا ہے کہ اس کی آواز پر نقل و حرکت کرنے کو مفسد صلوٰۃ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ وہاں آلہ کے اتباع و اقتدار کا کوئی سوال نہیں بلکہ محرک آلہ امام ہی کی اتباع و اقتدار ہے۔

یہ پانچ جزئیات فقہیہ تو ایسے ہیں جس میں نمازی نے کسی انسان خارج نماز کا جواب دیا اس کے کہنے کا اتباع کیا اور فقہاء نے اس کو مفسد نماز نہیں قرار دیا ایک چھٹا جزئیہ اس سلسلہ کا نماز میں قرآن کو دیکھ کر تلاوت کرنا ہے کہ کوئی شخص نماز میں تلاوت اس طرح کرے کہ قرآن مجید کو سامنے کھول کر رکھ لے یا ہاتھ میں لے اور اس کو دیکھ کر پڑھے، یا محراب پر قرآن کریم کی کوئی سورت لکھی ہو۔ اس کو دیکھ کر پڑھے اس میں بھی خارج نماز سے استفادہ اور اس کا اتباع ہے اور یہ جزئیہ مسئلہ زیر بحث آلہ مکبر الصوت کے ساتھ زیادہ اشبہ ہے کیونکہ اس میں بھی استفادہ کسی ذی روح متحرک بالارادہ سے نہیں بلکہ مصحف سے ہے اس کے متعلق فقہاء کی تصریحات یہ ہیں ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو مفسد نماز فرماتے ہیں اور دلیل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمایا ہے کہ ہم لوگوں کی امامت اس طرح کریں کہ قرآن میں دیکھ کر تلاوت کریں"

یہ حدیث مغنی ابن قدامہ میں بحوالہ کتاب المصاحف ابوبکر ابن داؤد مذکور ہے۔ اور امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل اور ائمہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد تو اس کے قائل ہیں کہ اس عمل سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ امام ابو یوسف اور امام محمد اس کو اس بناء پر مکروہ فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ یہود و نصاریٰ اہل کتاب کا ہے ان کے ساتھ تشبہ کرنا مکروہ ہے اور ان حضرات کا استدلال اس حدیث سے ہے جس کو امام بخاری رح نے ترجمۃ الباب میں اور دوسرے ائمہ حدیث نے اپنی اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خادم حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ

تراویح رمضان میں ان کی امامت کرتے تھے اور قرآن مجید کو مصحف سے پڑھا کرتے تھے۔ نیز عینی شرح بخاری میں نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضہ نماز پڑھتے تو ان کا ایک غلام قرآن شریف لے کر ان کے پیچھے کھڑا ہو جاتا جب وہ کسی آیت میں بھولتے یا تردّد کرتے تو وہ قرآن کریم کھول کر آگے کر دیتا تھا۔ اور حضرت انس رضہ اس طرح اُس سے مدد لے کر تلاوت کو درست فرما لیتے۔ (عمدۃ القاری ص۲۲۵ ج۵)

اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز میں اس طرح تلاوت کرنے کو مفسد نماز قرار دیا ہے۔ فقہاء حنفیہ نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی دو وجہ بیان کی ہیں۔

اوّل یہ کہ ایسا کرنے میں عمل کثیر ہوگا کہ قرآن شریف کو ہاتھ میں لے کر کھڑا ہوگا پھر اس کے ورق اُلٹے گا تو یہ ایک ایسا عمل ہوگا جس کو دیکھنے والا قطعاً یہی سمجھے گا کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا۔ اور یہی صحیح تعریف ہے عمل کثیر مفسد صلوٰۃ کی۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں خارج سے تعلیم تعلم اور تلقن پایا جاتا ہے یہ خود ایک عمل کثیر ہے۔ پہلی وجہ کی بنا پر تو اگر کوئی ایسا کرے کہ قرآن شریف کھول کر سامنے رکھ لے اور اوراق نہ بدلے یا محراب پر لکھا ہوا دیکھ کر پڑھ لے تو نماز فاسد نہیں ہوگی مگر دوسری وجہ پر مطلقاً فاسد ہو جائیگی اور مبسوط زیلعی وغیرہ میں اسی دوسری وجہ کو ترجیح دی ہے۔

لیکن حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی فساد نماز کا حکم صرف اس صورت میں ہے جبکہ قرآن اس کو یاد نہ ہو صرف دیکھ دیکھ کر ہی پڑھتا ہو۔ اور اگر قرآن کریم یاد ہے مگر محض امداد کے لیے قرآن مجید کھول کر سامنے رکھ لیا ہے کہ ضرورت پڑے تو اس پر نظر کرنے سے آیت یاد آجائیگی یہ صورت باجماع

مفسد نماز نہیں ہے۔ فقہاء و محدثین کی تصریحات اس بارہ میں حسب ذیل ہیں۔
شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط میں ہے:۔

واذا قرء فی صلوٰتہ من المصحف فسدت صلوتہ عند ابی حنیفۃؒ وعند ابی یوسفؒ ومحمدؒ صلوٰتہ تامۃٌ ویکرہ وقال الشافعی رح لا یکرہ لحدیث ذکوانؓ انہ کان یومہا فی رمضان وکان یقرء من المصحف۔ ولانہ لیس الاحمل المصحف بیدہ والنظر فیہ ولو حمل شیئاً آخر لم تفسد صلوٰتہ الا انہما کرہا ذلک لانہ تشبہ باھل الکتاب ولابی حنیفۃ طریقان احدھما ان حمل المصحف وتقلیب الاوراق والنظر فیہ والتفکّر فیہ عمل کثیر وھو مفسد للصلوٰۃ کالرمی بالقوس وعلیٰ ھذا الطریق یقول اذا کان المصحف موضوعا بین یدیہ اوقرء بما ھو مکتوبٌ علے المحراب لم تفسد صلوٰتہ والاصح ان یقول انہ تلقن من المصحف فکانہ تعلم من معلم وذلک مفسد لصلوٰتہ (مبسوط ص۲۰۱ ج۱)

اور بحر الرائق میں اس مسئلہ کی تفصیل لکھنے کے بعد فرمایا کہ صاحبین کے نزدیک جو اس کو تشبہ باہل الکتاب کی وجہ سے مکروہ قرار دیا ہے وہ بھی عام نہیں بلکہ انما التشبہ الحرام باھل الکتاب فیما کان مذموماً وفیما یقصد بہ التشبہ کذا ذکرہ قاضی خاں فی شرح جامع الصغیر۔ نعلی ھذا لو لم یقصد التشبہ لا یکرہ عندھما (بحر ص۱۱ ج۲)

اور زیلعی نے شرح کنز میں مبسوط کی مذکورہ تفصیل لکھنے کے بعد لکھا ہے ولو کان یحفظ القرآن وقرءہ من مکتوب من غیر حمل المصحف قالوا لا تفسد صلوٰتہ لعدم الامرین (تبیین زیلعی ص ج۱)

اسی طرح حلبی نے شرح منیہ میں یہ سب تفصیل نقل کرنے کے بعد لکھا

هذا اذا لم يكن حافظا لما قرءه فان كان حافظا له لا تفسد بالاجماع۔
(کبیری صہ ۴۲۳)۔ اور بحر الرائق میں ہے وقال الرازی قول ابی حنیفة محمول علیٰ من لم یحفظ القرآن ولا یمکنه ان یقرأ الا من المصحف فاما الحافظ فلا تفسد صلوٰته فی قولهم جمیعا وتبعه علیٰ ذالک السرخسی فی جامع الصغیر علیٰ ما فی النهایة وابو نصر الصفار علیٰ ما فی الذخیرة معللا بان هذه القرأة مضافة الیٰ حفظه لا الی تلقنه من المصحف وجزم به فی فتح القدیر والنهایة والتبیین وهو اوجه کما لا یخفی۔ اھ

منتقیٰ باجی شرح موطا میں حدیث ذکوان نقل کرنے کے بعد لکھا ہے قال مالک لا باس ان یؤم نظراً من لا یحفظه (منتقیٰ صہ ۲۱ ج ۱)

اور ابن قدامہ حنبلی نے مغنی میں لکھا ہے قال الموفق قال احمد لا باس ان یصلی بالناس القیام وهو ینظر فی المصحف۔ اھ

مغنی ابن قدامہ میں اس جگہ صحابہ وتابعین کے مختلف اقوال جواز وفساد کے بارہ میں نقل فرمائے ہیں —— اس جزئیہ فقہیہ کے متعلق ائمہ مجتہدین اور صحابہ وتابعین میں اختلاف اور ہر ایک کے دلائل سامنے آگئے جن حضرات نے فساد نماز کا حکم کیا اُن کی علت بھی واضح ہوگئی کہ خارج نماز سے تعلیم وتلقن کو علت فساد نماز کا قرار دیا ہے یا یہ کہ قرآن مجید میں دیکھ کر پڑھنا اس سے سیکھنے کے حکم میں یہ تعلم وتلقن من الخارج ایک عمل کثیر ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ان حضرات نے تلقن اور تذکر میں فرق کیا ہے تلقن یعنی تعلم کو عمل کثیر قرار دے کر مفسد قرار دیا ہے اور تذکر یعنی دوسرے کی بات سن کر کوئی چیز یاد آجانا اس کو عمل کثیر سے خارج اور غیر مفسد قرار دیا ہے۔ تذکر میں تفصیل ہے کما فی الشامیة صہ ۵۸۲۔

اس فرق کی مزید توضیح کے لیے ایک اور جزئیہ فقہیہ ملاحظہ ہو جس کو درمختار نے باب صلوٰۃ المریض میں قنیہ سے نقل کیا ہے وہ یہ ہے:۔

(لو اشتبہ علی المریض اعداد الرکعات والسجدات لنعاس یلحقہ لا یلزمہ الاداء) ولو اداھا بتلقین غیرہ ینبغی ان یجزیہ کذا فی القنیۃ۔ وقال الشامی تحتہ۔ قد یقال انہ تعلیم وتعلم وھو مفسد کما اذا قرأ من المصحف او علمہ انسان القراءۃ وھو فی الصلوٰۃ ۔ط۔ قلت وقد یقال انہ لیس بتعلیم وتعلم بل ھو تذکیر واعلام فھو کاعلام المبلّغ بانتقالات الامام فتأمل اھ (رد المحتار ص۱۳ ج۱)

آلۂ مکبّر الصوت

اب اپنے مسئلہ آلہ مکبر الصوت پر اس نظر فقہی سے غور کیا جائے تو یہاں تعلیم کا تو کوئی سوال ہی نہیں کیونکہ آلہ مکبر الصوت سے کوئی چیز سکھی نہیں جاتی بلکہ جو مقتدی پہلے سے اس فکر میں ہیں کہ امام کی آواز سنیں تو امر الٰہی کے مطابق اس کا اتباع کریں ان کو اس آلہ کے ذریعہ یہ علم ہو جاتا ہے کہ اب امام نے تکبیر کہی اسی وقت وہ امام کا اتباع کرنے کی نیت سے تکبیر کہہ لیتے ہیں زیادہ سے زیادہ اس کو تذکر کہا جا سکتا ہے۔ آلہ مکبر الصوت سے تو کسی بھولی ہوئی چیز کا یاد آنا بھی نہیں بلکہ جس آواز کے وہ انتظار میں تھے اس کے صادر ہو جانے کی اطلاع ہے اس لیے اس کو عملِ کثیر میں داخل کرنے کی تو کوئی وجہ ہی نہیں ہو سکتی اور کلام الناس سے اس کی کوئی مناسبت نہیں۔

حدیث صحیح اور عمل صحابہ کرام رضؓ سے ایک نظیر

یہاں تک اس مسئلہ کے متناسب فقہاء کی نظائر اور جزئیات میں گفتگو تھی۔ اب خود عہد رسالت کی ایک نظیر کو دیکھئے۔

صحیح بخاری باب ماجاء فی القبلۃ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ مسجد قباء میں لوگ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک آنے والا آیا اور اس نے بیان کیا کہ آج کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ قرآن نازل ہوا اور آپ کو اس کا حکم دے دیا گیا کہ نماز میں بجائے بیت المقدس کے، کعبہ کی طرف رخ کریں۔ فاستقبلوھا وکانت وجوھھم الی الشام فاستداروا الی الکعبۃ۔ (ترجمہ) "انھوں نے کعبہ کا استقبال کر لیا جبکہ ان کا رخ اس وقت شام ـــــ یعنی بیت المقدس کی طرف تھا (مگر یہ خبر سن کر) وہ کعبہ کی طرف پھر گئے"۔ یہ روایت بخاری و مسلم میں متعدد مواقع میں منقول ہے۔ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ عینی نے شرح بخاری میں فرمایا:۔

وفیہ جواز تعلیم من لیس فی الصلوٰۃ من ھو فیھا

یعنی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو کوئی نماز میں نہیں ہے وہ نماز پڑھنے والے کو تعلیم دے سکتا ہے۔ (عمدۃ القاری ص ۱۲۵ ج ۲)

اور عمدۃ القاری ص ۲۴۲ ج ۱ میں اسی حدیث کے ذیل میں فرمایا۔

وفیہ استماع المصلی لکلام من لیس فی الصلوٰۃ فلا یضر صلوتہ (الی قولہ) ھکذا استنبطہ الطحاوی منہ۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کوئی نماز پڑھنے والا کسی ایسے شخص کا

جو نماز میں داخل نہیں کلام سن سکتا ہے اور وہ اس کی نماز کے لیئے مضر نہیں۔ یہ حکم اس حدیث سے امام طحاوی نے بھی اس طرح مستنبط کیا ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر نے شرح بخاری جلد اوّل میں صـ۴۰۳ پر اسی حدیث کے ذیل میں علامہ عینی کے مذکورہ دونوں مسئلوں کو حدیث مذکور سے استنباط فرمایا ہے مگر بعد میں تحریر فرمایا کہ اس معاملہ میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ اُس زمانہ کا ہو جبکہ نماز میں عمل کثیر اور کلام الناس جائز تھا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ عملِ کثیر اور کلام کی ممانعت کے بعد ہی ہو مگر مصلحت اصلاح نماز کے لیئے اس کو جائز رکھا گیا ہو۔

وجہ ان دونوں احتمالوں کی یہ ہے کہ کلام اور عملِ کثیر کی نماز میں ممانعت بھی ہجرت کے دوسرے سال میں ہوئی۔ اور تحویلِ قبلہ بھی ہجرت کے سولہ یا سترہ مہینہ بعد دوسرے ہی سال میں واقع ہوئی ہے لیکن فقہاءِ حنفیہ کے مذکورہ سابق ارشادات سے اس کی ایک تطبیق اور بھی سمجھی جا سکتی ہے وہ یہ کہ تحویلِ قبلہ کے معاملہ میں بھی درحقیقت تعلیم و تعلم یا غیر کا اتباع نہ تھا۔ بلکہ صحابہ کرام کو قرآنی اشارات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے پہلے ہی معلوم تھا کہ قبلہ کا حکم بدلنے والا ہے۔ جب کسی آنے والے نے استقبالِ کعبہ کی خبر دی تو ان کو معلوم ہو گیا کہ اب تحویلِ قبلہ کا حکم ہو گیا۔ اس لیئے ان کا کعبہ کی طرف پھر جانا امرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع تھا امرِ غیر کا نہیں اور جہتِ شام سے جہتِ کعبہ کی طرف مڑنے کا جو عمل کثیر ہوا وہ چونکہ اصلاح صلوٰۃ کے لیئے تھا اُس کو معاف سمجھا گیا۔ اسی لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُن کو اُس نماز کے اعادہ کا حکم نہیں فرمایا۔

آلۂ مکبر الصوت | آلۂ مکبر الصوت کی آواز پر نقل و حرکت کا معاملہ ظاہر ہے

کہ اس واقعہ تحویل قبلہ کی نسبت بہت ہی اہون ہے اور علامہ عینی اور حافظ ابن حجر اور امام طحاوی نے اس واقعہ سے اس امر کا استنباط کیا ہے کہ نمازی کو خارج نماز شخص سے کسی قسم کا استفادہ کرنا جائز ہے موجب فساد نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام

یہ سات جزئیات فقہیہ جو اس وقت ذکر کی گئی ہیں آلۂ تکبیر الصوت کی آواز پر نقل وحرکت کے لیے نظیریں اور مثالیں بن سکتی ہیں۔ ان تمام میں مدار بحث یہ ہے کہ ان میں ۱ خارج سے تعلیم وتعلم یا تلقین وتلقن پایا جاتا ہے۔ ۲۔ یا کسی خارج شخص کی بات کا جواب ہے۔ ۳۔ یا امر غیر اللہ کا نماز میں اتباع ہے اور اس جگہ اتباع سے مراد یہ ہے کہ خارج کے کلام سے متاثر ہو کر نمازی کوئی کام کرے۔ اصطلاحی اتباع یا اقتداء مراد نہیں کما صرح بہ الشامی فی رسالۃ التنبیہ۔ اور یہ تینوں چیزیں مفسد صلوٰۃ ہیں۔

پھر جب اس پر غور کیا جائے کہ ان تین چیزوں کو مفسد نماز کس بناء پر قرار دیا گیا تو خود فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ بناء فساد دو چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ہے، یا عمل کثیر، یا کلام الناس، اور ان دونوں کا مفسد ہونا آیت قرآنی قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِیْنَ اور اس فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے

انّ ھذہ الصلوٰۃ لایصلح فیہا شئ من کلام الناس انما ھی التسبیح والتکبیر وقراءۃ القرآن۔ ترجمہ:۔ یہ نماز اس میں لوگوں کی کوئی بات چیت درست نہیں وہ تو صرف تسبیح تکبیر اور قرارت قرآن ہے (رواہ مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ خارج سے استمداد یا استفادہ مطلقاً مفسد نماز نہیں جب تک کہ وہ عمل کثیر یا کلام الناس کی حد میں داخل نہ ہو۔ اور مذکور الصدر جزئیات میں جن صورتوں کو فسادِ نماز کا سبب نہیں مانا گیا وہ اسی پر مبنی ہیں کہ

ان میں، اگرچہ بظاہر تعلیم و تعلّم یا اتباع امرِ غیر پایا جاتا ہے مگر وہ اس درجہ میں نہیں جس کو عملِ کثیر موجب فساد صلوٰۃ قرار دیا جائے یا عام کلام الناس کی طرح سوال و جواب یا تعلیم و تعلّم کی حیثیت دی جائے۔

فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی ان تصریحات کو سامنے رکھنے کے بعد مسئلہ زیر بحث یعنی آلہ مکبر الصوت کی آواز پر نماز میں نقل و حرکت پر غور کیا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی آواز پر نماز میں نقل و حرکت کو عملِ کثیر میں تو کسی طرح داخل کیا ہی نہیں جا سکتا۔ کیونکہ کسی کے کہنے سے یہاں کوئی عمل کیا ہی نہیں گیا بلکہ باتباع امام رکوع و سجود جس کا پہلے سے یہ مامور تھا وہ ہی بجا لایا ہے اسی طرح کلام الناس میں داخل کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہا جا سکتا ہے تو صرف یہ کہ اس میں رکوع سجود کا وقت اور محل متعین کرنے میں اتباع امرِ غیر اللہ فی الصلوٰۃ پایا جاتا ہے لیکن مذکورہ بالا جزئیات اور فقہاء کی تصریحات میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں درحقیقت اتباع امرِ غیر نہیں بلکہ امرِ الٰہی وارکعوا مع الراکعین اور امرِ رسولؐ فاذا رکع فارکعوا واذا سجد فاسجدوا، کی تعمیل ہے۔ آلہ مکبر الصوت کی آواز کا اس میں صرف اتنا دخل ہے کہ دور کے مقتدیوں کو اس کے ذریعہ اطلاع ہو گئی کہ اب امام رکوع میں گیا۔ اب رکوع سے اٹھا۔ اب سجدہ میں گیا۔ اس اطلاع پر امر شرعی کی تعمیل کر لینا ان صورتوں سے بہت اہون ہے جن میں فقہاء رحمہم اللہ نے نماز کو جائز قرار دیا ہے کہ ہاتھ یا سر سے سلام کا جواب یا درہم کے کھرے کھوٹے ہونے کا جواب یا صف میں پیچھے آنے والے کے کہنے سے پیچھے ہٹ جانا یا کسی حافظ کا قرآن کو سامنے رکھ کر بھولنے کے وقت اس سے مدد لینا وغیرہ۔

اس لیے آلہ مکبر الصوت کی آواز کو متکلم کی آواز کا غیر قرار دینے کی صورت

میں بھی فسادِ نماز کے حکم کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

حاصل یہ ہے کہ یہ مسئلہ نہ کتاب وسنت میں منصوص ہے نہ ائمہ مجتہدین کی طرف سے اس میں کوئی تصریح ہے فقہاء متاخرین میں سے بعض حضرات نے لکھا ہے اور جن دلائل پر ان کی بنیاد رکھی ہے وہ دوسری جزئیاتِ فقہیہ سے متصادم ہونے کی بنا پر محل بحث ونظر ہے اور انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ انسان مکلف کے عمل سے متعلق ہے مکبر الصوت کے آلہ بے جان کو اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے جس کی تفصیل اصل رسالہ میں مذکور ہے بایں وجوہ حکم بفساد صلوٰۃ سے اجتناب ضروری ہے۔ خصوصاً اس ابتلاء عام کے زمانہ میں کہ حرمین محترمین میں اطرافِ عالم سے جمع ہونے والے حجاج کی سب نمازیں اس آلہ پر ہو رہی ہیں اس کو روکنا اختیار میں نہیں۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا سب حجاج کی نمازوں کو فاسد کہا جائے یا پھر اُن کو یہ کہا جائے کہ مساجد حرمین کی جماعت سے محروم رہیں۔ اس کے علاوہ پوری دنیا میں اس کا رواج عام مساجد میں ہو چکا ہے اس حالت میں فسادِ نماز کے حکم کا صرف اتنا ہی اثر ہو سکتا ہے کہ آدھی دنیا کے مسلمانوں کی نمازوں کو فاسد اور ان کو فاسق قرار دیا جائے۔

ظاہر ہے کہ ایسے ابتلاء عام کے وقت اصول فتویٰ کا مقتضی یہی ہے کہ ائمہ وفقہاء کے کلام میں رخصت وسہولت کے پہلو تلاش کیے جائیں اور جواز کے پہلو میں من وجہ کوئی ضعف بھی محسوس کیا جائے تو اُس کو نظر انداز کر کے فسادِ نماز کے حکم سے گریز کیا جائے۔

یہاں تو فقہاء رحمہم اللہ کی مذکورہ تصریحات سے اور صحابہ کرام رضا کے تحویلِ قبلہ والے عمل سے قوی پہلو یہی ہے کہ فسادِ نماز کا حکم نہیں ہونا چاہیے۔

تنبیہ :۔ (۱) اس مسئلہ میں ابتلاء عام کی رعایت سے کسی کو یہ دھوکہ

نہ ہونا چاہیئے کہ آجکل تو سود، قمار، رشوت، شراب، بے حیائی، ڈاڑھی منڈانا، تصویر وغیرہ سبھی گناہوں میں ابتلاء عام ہو رہا ہے تو ان میں بھی رخصت و سہولت ہونی چاہیئے وجہ ظاہر ہے کہ یہ تمام گناہ وہ ہیں جن کی حرمت اور ان پر وعیدیں قرآن و سنت میں منصوص اور فقہاء اُمت کے نزدیک مجمع علیہ ہیں۔

یہاں اول تو حکم کی بنیاد ابتلاء عام پر نہیں بلکہ فقہی جزئیات پر ہے۔ ثانیاً اُس کے خلاف کوئی حکم نہ منصوص کتاب و سنت ہے نہ ائمہ مجتہدین سے منقول ہے اس لیئے اس پر محرمات قطعیہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) یہ تمام تحقیق و تنقیح جو فقہی روایات سے اس جگہ کی گئی یا اصل رسالہ میں لکھی اس کا مقصد نماز میں آلہ مکبر الصوت کے استعمال کی حوصلہ افزائی یا استحسان ہرگز نہیں بلکہ صرف اتنا ہے کہ فسادِ صلوٰۃ کے حکم سے اجتناب کیا جائے۔ باقی اس میں شبہ نہیں کہ نماز میں اس کے استعمال پر بہت سے مفاسد مرتب ہوتے ہیں اور ضرورت کوئی داعی نہیں بلکہ اسلام کا سادہ اور مسنون طریقہ مبلغ یا مکبر کے ذریعہ آواز کو دور تک پہونچانے کا کھلا ہوا اور بے غبار ہے۔

اس کے بعض مفاسد تو احقر نے اپنے اصل رسالہ میں لکھے ہیں اور اُس پر مزید اور جدید اضافہ اُس تحریر سے ہوا جو مولانا قاضی شمس الدین صاحب نے موضع درویش ہری پور ہزارہ سے بھیجی جس میں گوجرانوالہ کا واقعہ تحریر فرمایا کہ دو مسجدیں قریب قریب ہیں ایک میں امام اور خطیب موجود ہے دوسری مسجد والوں نے اپنی مسجد کے لیئے جداگانہ امام و خطیب رکھنے کے بجائے بذریعہ تار مکبر الصوت اپنی مسجد کو دوسری مسجد سے متصل کر کے اُسی مسجد کے امام کے خطبہ اور نماز کی اقتداء دوسری مسجد میں شروع کر دی، یا مکہ مکرمہ سوق مسعیٰ کا چشم دید واقعہ یہ ذکر فرمایا کہ کچھ لوگ سوق مسعیٰ میں اپنی اپنی دکانوں پر رہتے ہوئے بغیر اتصال

صفوف کے بذریعہ مکبر الصوت امام حرم کی اقتداء کرتے۔ اور نماز ادا کر لیتے ہیں جس کے فاسد ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اس طرح کے بہت سے مفاسد ہیں جو پیش آرہے ہیں اور آگے بڑھنے کا خطرہ ہے۔ اس لئے نماز میں اس آلہ کے استعمال سے اجتناب ہی کرنا چاہیئے۔ خصوصاً جب کہ علماء کی ایک جماعت اس پر نماز پڑھنے کو مفسدِ صلوٰۃ قرار دیتی ہے تو خروج عن الخلاف کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ نماز میں اس سے پرہیز کیا جاوے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اللھم ھذا الجھد وعلیک التکلان۔ ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ۔ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
۲ر شعبان ۱۳۸۱ھ

ضمیمۂ ثانیہ

آلۂ مکبر الصوت کے متعلق ماہرین سائنس کی تحقیقات

پہلی مرتبہ

از حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

یہ تحقیقات تفصیل کے ساتھ امداد الفتاویٰ میں اور احقر کے پہلے رسائل میں شائع ہو چکی ہیں۔ اس لیے ان کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:۔

جناب شبیر علی صاحب پروفیسر سائنس علی گڑھ یونیورسٹی

نے تحریر فرمایا کہ لاؤڈ اسپیکر کے ڈائل پر سے جو آواز بلند ہو کر دور جاتی ہے وہ بجنسہٖ آواز متکلم یا خطیب ہوتی ہے، جو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ قوی ہو جاتی ہے، آواز دراصل ہوا میں لہروں کے پیدا ہونے کا نام ہے جو زبان کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے، اور کان کے پردے پر جا کر اسی قسم کی کیفیت پیدا کرتی ہے، کان کے پردے تک پہونچنے سے پیشتر اگر وہ لہریں ضعیف ہو چکی ہیں (جس کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں، مثلاً بادِ مخالف یا شور وغل وغیرہ) اور پھر اُن کو لاؤڈ اسپیکر

کے ذریعہ قوی کر دیا گیا ہے تاکہ وہ زیادہ دور تک جا سکیں، تو ایسی صورت میں لاؤڈ اسپیکر کے بعد جو آواز نکل رہی ہے وہ فی الحقیقت اصلی ہی آواز ہے۔

آواز ڈائل پر جاکر ختم نہیں ہو جاتی ہے، لاؤڈ اسپیکر ان ضعیف لہروں میں ایک قسم کی نئی جان ڈال دیتا ہے، اور یہ فعل ان لہروں کے معدوم ہو جانے سے بیشتر ہوتا ہے، یعنی وہ لہریں متکلم کے منھ سے نکلی ہوئی بجنسہٖ اپنی اصلی حالت پر قائم ہوتی ہیں۔

ماسٹر سائنس الگزنڈر ہائی اسکول بھوپال

نے اپنی مفصل تحریر میں اس مسئلہ میں تردد کا اظہار کیا۔

حیدر آباد دکن سے مولوی عبدالحیٔ صاحب

نے کسی ماہر سائنس سے معلوم کرکے لکھا کہ آواز کے متعلق علمائے سائنس کی یہ رائے ہے کہ جس جسم سے آواز نکلتی ہے وہ ایک خاص قسم کی ارتعاشی حرکت کرتا ہے، یہ ارتعاشی حرکت مادۂ ہوا میں بجنسہٖ منتقل ہوتی ہے، اور عام طور پر بالآخر ہوا میں منتقل ہو کر سننے والے کے کان تک پہونچتی ہے،

مکبر الصوت مختلف قسم کے ہیں، برقی نوعیت کے مکبر الصوت میں بولنے والا بات کرتا ہے تو آواز کی موجیں براہِ راست منعکس ہو کر سننے والے تک منتقل ہوتی ہیں، بلندیٔ آواز کی وجہ اس خاص صورت میں یہ ہے کہ موجوں کی توانائی ہوا کے وسیع رقبوں میں پھیل کر منتشر نہیں ہونے پاتی بلکہ ایک خاص سمت میں موجوں کی ہدایت ہونے سے آواز تقریباً اپنی کامل ابتدائی توانائی کے ساتھ سامع تک پہونچ جاتی ہے، اس آواز کو بلاشبہ بولنے والے ہی کی آواز

سمجھ سکتے ہیں، اس مکبر الصوت سے آواز کا انتقال بہت دور تک نہیں ہوسکتا، اگر مکبر الصوت برقی نوعیت کا ہے جیسا کہ معمولی لاسلکی ٹیلیفون کے ساتھ استعمال کرنے کا آلہ ہوتا ہے، تو اس کی نوعیت بالکل جداگانہ ہے، یہاں آواز کے پیدا کرنے والے جسم کی ارتعاشی حرکت اپنی نوعیت بدل کر ایک دوسری قسم کی ارتعاشی صورت اختیار کرلیتی ہے، گویا کہ آواز کی نقل برقی رووں یا برقی موجوں میں تیار کرلی جاتی ہے، اور سننے والے کے لیئے آلہ سماعت میں داخل ہو کر بالآخر آواز کے مادی ارتعاشی کی شکل میں تبدیل ہوجاتی ہے، جو کہ آواز پیدا کرنے کے لیئے لازمی ہے، اس طرح سننے والا نقل در نقل یا بالواسطہ طریقہ سے آواز سن پاتا ہے، ایسے لاؤڈ اسپیکروں کی آواز ابتدائی آواز کی محض نقل یا حکایت ہی سمجھی جاسکتی ہے، فقط ۲۳ر صفر ۱۳۴۷ھ

مکرر تحقیق از ماہرین سائنس

بجانب بندہ محمد شفیع دیوبندی مقیم کراچی

سوال از ماہرین سائنس

نماز میں مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کی آواز پر تکبیر تحریمہ اور رکوع وسجدہ وغیرہ میں منتقل ہو کر پھر سلام دے کر نماز ختم کرنا جائز ہے یا ناجائز، اس مسئلہ کا مدار اس تحقیق پر ہے کہ آلہ مکبر الصوت کے ذریعہ جو آواز دور تک پہونچتی ہے وہ بعینہ امام کی آواز ہے اس کی صورت یہ ہے کہ امام کی آواز سے پیدا شدہ تموج کو یہ آلہ اپنے اندر جذب اور محفوظ کر کے اس کو ریڈیائی طاقت

سے دور پہنچا دیتا ہے، اور سنی ہوئی آواز امام کی آواز کا عکس ہوتی ہے، (مثل آواز بازگشت) مگر چونکہ آلہ کا اس آواز کو اپنے اندر لینا اور باہر پھینکنا برقی سرعت کے ساتھ بیک وقت ہوتا ہے، اس لئے باوجود مغائرت کے ایک ہی آواز مسلسل معلوم ہوتی ہے، اس مسئلہ کی تحقیق پہلے بھی چند ماہرین سے کی گئی تھی، لیکن اُن کے جواب مختلف آنے کی بنا پر مزید تحقیق کی ضرورت محسوس ہوئی، برائے کرم اس کے متعلق اپنی رائے اور تحقیق سے مطلع فرمائیے۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

جواب از کمیونیکیشن اینڈ الیکٹریشن ڈیپارٹمنٹ، کراچی

(۱) جو آواز آلہ مکبر الصوت کے ذریعہ دور تک پہنچتی ہے، وہ بعینہ بولنے والے کی آواز ہوتی ہے، اور کسی صورت سے کسی قسم کا عکس نہیں ہوتی،

(۲) جب کوئی شخص بولتا ہے تو اس کی آواز بولنے تک ہوا کے ذریعہ پہنچتی ہے، لیکن جب وہ شخص آلہ مکبر الصوت کے ذریعہ بولتا ہے تو اس کی آواز بجائے ہوا کے، بجلی کی لہروں کے ذریعہ اور اسی کی رفتار سے سننے والے تک پہونچتی ہے،

(۳) یہ ہرگز صحیح نہیں کہ آلہ مکبر الصوت آواز کو گراموفون کی طرح محفوظ کر کے برقی سرعت کے ساتھ آگے پہونچاتا ہے فقط

مسعود رفیع، بی، ایس، سی
(ڈپٹی ڈائرکٹر آف کمیونیکیشن اینڈ الیکٹریشن ڈیپارٹمنٹ کراچی)

جواب از محکمۂ ریڈیو پاکستان

جب ہم کہیں بولتے ہیں تو جو الفاظ دوسرا شخص ہم سے سنتا ہے وہ کہنے والے اور سننے والے کے درمیان کی ہوا میں تموج کے ذریعہ اس تک پہونچتے ہیں، اسی تموج کو فنی اصطلاح میں آواز کی لہریں کہا جاتا ہے۔ یہ لہریں واسطہ (ہوا) کے دباؤ اور پھیلاؤ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتیں، ان کا مقابلہ پانی کے تالاب میں پتھر پھینک کر لہریں پیدا کرنے سے کیا جا سکتا ہے، بولنے والے کی آواز کی پیدا کی ہوئی لہریں مائیکروفون سے ٹکراتی ہیں، اور مائیکروفون میں آواز کی لہروں کو برقی لہروں میں بدلنے کا ایک آلہ ہوتا ہے، (ایمپلیفائر) یعنی اضافہ کرنے والے آلات کی مدد سے اُن برقی لہروں کی شدت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے،

بات یہ ہے کہ بولنے والے کی پیدا کردہ آواز کی معمولی شدّت دور کے سننے والوں تک پہنچے یا نہ پہنچے مگر یہ برقی لہریں اس مقصد کو پورا کر سکتی ہیں، کیونکہ اس صورت میں آواز کے پاٹ کو حسب منشاء بڑھایا جا سکتا ہے، یہ اضافہ کردہ برقی قوت لاؤڈ اسپیکر کو چلاتی ہے، لاؤڈ اسپیکر میں برقی لہروں کو آواز کی لہروں میں تبدیل کرنے کا ایک آلہ ہوتا ہے، چنانچہ واضح ہو گیا ہو گا کہ اس سلسلہ میں کسی منزل پر بھی بولنے والے کی آواز جذب و محفوظ نہیں ہوتی، بالفاظِ دیگر بولنے والا جس لمحہ برقی آلات اُس کی آواز کے زور کو بڑھا دیتے ہیں تاکہ اُسے زیادہ لوگ سن سکیں،

بار سوم سوال از ماہرینِ سائنس منجانب احقر محمد شفیع

مکرر تحقیق کے وقت، ماہرین سائنس کے سامنے وہ تحقیق اور جواب نہ رکھے

گئے تھے، جن میں اختلاف و اشتباہ کی وجہ سے تحقیق مکرر کی نوبت آئی، اس لیے تیسری مرتبہ یہ تمام جوابات اور تحقیقات سابقہ نقل کر کے ان کے پاس بھیجی گئی، اور سابقہ تحقیقات میں جن الفاظ سے متکلم کی آواز میں کسی قسم کی تبدیلی کا اشتباہ پایا جاتا تھا، اُن پر سُرخ نشان لگا کر خصوصیت سے ان پر توجہ کر کے جواب دینے کے لیے عرض کیا گیا،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(سوال ۱) بعض مسائل شرعیہ کی تحقیق کے لیے یہ معلوم کرنا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ جو آواز دور تک پہونچتی ہے یہ بعینہ بولنے والے کی آواز ہوتی ہے، یا اس کا عکس و شبیہ ہوتی ہے، جیسے آواز بازگشت میں ہوتا ہے، یا جیسے گراموفون کی آواز ہے، سوال کا منشاء یہ ہے کہ آواز جو ہوا میں پیدا شدہ لہروں یا تموج کا نام ہے لاؤڈ اسپیکر کسی منزل میں ان کو بدل کر اُن کے مشابہ نئی لہریں پیدا کر دیتا ہے، یا انھیں لہروں میں کوئی جدید برقی قوت پیدا کر دیتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ لہریں منتشر ہونے سے پہلے دور تک پہونچ جاتی ہے۔ براہ کرم اس مسئلہ میں اپنی تحقیق سے استفادہ کا موقع دیا جائے۔

(۲) اس مسئلہ کی تحقیق پہلے بھی ماہرین سائنس جدید سے کی گئی تھی، ان کے جوابات میں کچھ اختلاف اور اشتباہ رہا، اس لیے وہ تحریریں بھی جناب کے ملاحظہ کے لیے منسلک ہیں، ان میں سے جواب ۱، ۴ تو اس مسئلہ میں صریح ہیں کہ بذریعہ لاؤڈ اسپیکر جو آواز دُور تک سنائی دیتی ہے وہ بعینہ متکلم کی آواز ہے، اصلی آواز میں کوئی تبدیلی نہیں، تبدیلی صرف آواز کے مادہ اور مرکب میں ہوئی، کہ آواز کی لہریں جس ہوا پر سوار تھیں اب وہ ہوا برقی رو میں منتقل ہوگئی، غرض

ـه یہ تحقیقات جس ترتیب سے شائع شدہ آپ کے سامنے ہیں یہ نمبر اسی ترتیب کے ہیں ۱۲

بذریعہ آلہ سنائی دینے والی آواز کا عکس یا شبیہ نہیں بلکہ بعینہٖ متکلم کی آواز ہے،

اور ۳ اس کے بالکل خلاف یہ رائے لکھتا ہے کہ وہ اصلی آواز کا عکس ہے،

اور ۴ اس مسئلہ میں تردّد کا اظہار کرتا ہے،

اور ۵ اور ۶ کی تفصیلات میں کسی کسی جگہ تبدیلی کا ذکر ہے، جس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اصلی آواز میں تبدیلی ہو کر اس کے مشابہ دوسری آواز سنائی دیتی ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں جہاں تبدیلی کا ذکر ہے اس سے آواز کے مرکب یعنی ہوا میں تبدیلی اور اس کا برقی رو میں منتقل ہونا مراد ہو،

جناب سے استدعا ہے کہ کچھ وقت عزیز صرف فرما کر منسلکہ تحریرات پر نظر ڈالی جائے بالخصوص وہ مقامات جن پر سرخ نشان کر دیا گیا ہے، اُن کو ملاحظہ فرما کر اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں کہ ان مختلف آرا میں سے صحیح کیا ہے، اور ۵ و ۶ میں جن تبدیلیوں کا ذکر ہے اس سے کس قسم کی تبدیلی مراد ہے، اصلی آواز کی تبدیلی یا محض اس کے مرکب اور مادہ میں تبدیلی؟ جزاکم اللہ عنا و عن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔ والسلام

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ ممبر مجلس تعلیمات اسلامیہ دستوریہ پاکستان

جواب از سول ایوئیشن ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ آف پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

مندرجہ ذیل سطور سپردِ قلم ہیں:۔

۱ و ۲ رائیں درست ہیں

۳ جب تحریریں لائی گئی تھی تو بقول برج نندن صاحب اس مسئلہ کے

متعلق پوری تفصیلات معلوم نہیں تھیں، اس لیے ان کی رائے فیصلہ کن نہیں سمجھی جا سکتی۔

۳۔ درست نہیں،

۴۔ کا اطلاق زیر بحث مسئلہ پر نہیں ہوتا، کیونکہ صرف میکروفون، ایمپلیفائر اور لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے ریڈیائی لہریں وجود میں نہیں آتیں، اور اس لیے چھوٹی فری کوئنسی والی لہروں کے بڑی فری کوئنسی والی لہروں پر سوار ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہونچنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا،

۵۔ میں جس تبدیلی کا ذکر ہے اس سے کسی دوسری مشابہ آواز کا وجود میں آنا مقصود نہیں بلکہ آواز کی لہروں کا برقی لہروں میں اور پھر برقی رَو کا آواز کی لہروں میں تبدیل ہونا مراد ہے، جس سے آواز کی اصلیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ موجودہ سائنس کے مطابق لاؤڈ اسپیکر سے نکلنے والی آواز بالکل وہی آواز ہے جو میکروفون سے ہوئی ہے ایمپلیفائر میں طاقت حاصل کرنے کے بعد لاؤڈ اسپیکر تک پہنچی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اب یہ پہلے کی نسبت کہیں زیادہ طاقتور ہوتی ہے، اور بہت دُور تک سنائی دیتی ہے۔

الراقم

محمد الطاف علی

ایم، ایس، سی، ایم، ایس، سی، ای، (امریکہ) سینئر کمیونکیشن آفیسر سول ایویئیشن ڈیپارٹمنٹ، گورنمنٹ آف پاکستان

انگریزی رسالہ

"دی سٹوری آف دی آرٹی فیشل وائس"

کا اُردو ترجمہ

مصنوعی آواز کی کہانی

(شائع کردہ تعلیمی ادارہ ہری پور ہزارہ)

تعارف

از جناب علامہ ابوالخیر صاحب ایم، اے۔ ایم، او، ایل، ایس، اے، وی، ایچ، پی، ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول ہری پور (ہزارہ)

میں نے اس معلوماتی رسالہ کو جو مصنوعی آواز سے متعلق چند پاکستانی او غیر ملکی بلند پایہ ماہرین فن کی آراء کا مجموعہ ہے پڑھا ہے۔ ان آراء کو جناب مولانا حکیم احمد حسن صاحب قریشی ساکن بھوئی گاڑ ضلع اٹک نے اُن نوجوانا پاکستان، شائقین تحقیق کے مطالعہ کے لیئے ترتیب دیا ہے جو مصنوعی آ کے بارہ میں زیادہ موثق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

اس مجموعہ میں عمدہ اور مفید علم کو ایسی شکل میں اکٹھا کیا گیا ہے جو ا انداز بیان رکھتا ہے جو کہ تشریحی ہے اور سیدھے سیدھے الفاظ میں نفس مضمون کو واضح کرتا ہے۔ قارئین رسالہ سے اُمید کی جاتی ہے کہ وہ اس رسالہ مطالعہ کے بعد مصنوعی آواز کے اصولوں کو حسن طریق پر سمجھ سکیں گے۔ اور یہ رسالہ مزید مطالعہ اور تحقیق و تجسس کا شوق بخشتے گا۔" (دستخط) ابوالخیر ایم، اے ایم، او، ایل ایس، اے، ڈی۔ ایچ۔ پی۔ ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر

مصنوعی آواز کی کہانی

از
جناب خان محمد رفیق احمد خان صاحب بی، ایس، سی
(گولڈ میڈلسٹ) علیگ
سابق پروفیسر انجینیرنگ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ
سی، اینڈ، جی، فائنل گریڈ لندن۔ ایم، اے۔ آئی، ای
(پاکستان) ایم، پی، اے، اے، ایس، اسپیشل ٹرینڈ
ان ٹیلی کمیونیکیشن، میونخ، جرمنی، ڈی۔ ای، ایس
درجہ اول، پرنسپل ٹیلی کمیونیکیشن اسٹاف کالج
هری پور (ہزارہ)

انسان صدیوں سے مصنوعی آواز بنانے کی سعی میں رہا ہے لیکن اُسے صدائے نت کے سوا کامیابی نہ ہوسکی۔ آلات موسیقی کے زیروبم سے غزل، وزن اور ا اندازہ تو ہوسکا۔ مگر آواز کی ہوبہو تخلیق نہ ہوسکی۔ بجلی کی ایجاد سے اس کی تیز ری کا پتہ چلا کہ یہ ایک سیکنڈ میں ۱۸۶۰۰۰ میل جاسکتی ہے یعنی پوری زمین کے رد سات چکر فی سیکنڈ لگا سکتی ہے۔ تو اس کے دیگر قواعد کے علاوہ سائنسدانوں س کے ذریعے تار بھیجنے کا طریقہ ایجاد کیا مگر اس میں بھی حروف کے اشارہ بھی جاتے تھے جنھیں صحیح ترتیب سے جوڑنے کے بعد ہی مطلب نکلتا۔ تار کے ساتھ جھنڈی اور شیشہ کے اشارات بھی مستعمل رہے مگر اصل آواز کی طرح ی ساخت بہرحال اس وقت تک نہ حاصل ہوسکی جب تک ٹیلی فون، گراموفون

نہ ایجاد ہوئے۔ اس کے بعد لاسلکی، وائرلیس کی ایجاد ہوئی لیکن اس میں بھی الفاظ مقررہ علامات سے ہی بھیجے جاتے رہے۔ آخرکار جدید ریڈیو ٹرانسمیٹر اور ریسیور ایجاد ہوئے دوسری طرف متحرک فلمی تصاویر میں پہلے خاموش فلمیں بنیں جن کے مطالب پردہ سینما کے کنارے پر حروف کی شکل میں دکھلائے جاتے تھے اور ان کو پڑھ کر سامعین فلم کے مطالب سمجھتے تھے۔ پھر ٹاکیز فلمیں جاری ہوئیں اور ان میں ایکٹنگ اور ریکارڈنگ میں اس طرح تطبیق دی گئی کہ کردار اور آواز بالکل متحد ہو گئے اور اب تو فلم پر ہی اس طرح کی صدا بندی کی گئی ہے کہ جب فلم چلتی ہے تو روشنی پڑنے کی وجہ سے خود بخود فلم کے ساتھ ساتھ آواز بھی نکلتی چلی جاتی ہے۔ جدید ترین ایجاد ٹیپ ریکارڈ کی ہے جس میں پلاسٹک کی ایک ٹیپ پر مشین صدا بندی کرتی ہے اور جب جی چاہے بعد میں سنا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اب تو ریڈیو ٹیلیفون بھی ایجاد ہو چکے ہیں۔

ٹیلی فون کی آواز

آواز تھوڑی ہی دور فضا میں جانے کے بعد ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے اور اس کی رفتار بھی سات سو بچاس میل فی گھنٹہ ہے ان مسائل کے باوجود سائنس دان آواز کو دور دراز تک بھیجنے اور سننے کی سعی میں لگے رہے بالآخر انھوں نے کان کے پردہ کے اصول پر ایک مصنوعی معدنی جھلی ایجاد کی اور اُسے مائیکروفون میں لگا مائیکروفون کی اس معدنی جھلی یا پتی میں کان کے پردہ کی طرح آواز پڑنے پر ارتعاش ہوتا ہے۔ چنانچہ اس پتی اور بجلی کے ذریعے ٹیلیفون میں مصنوعی آواز پیدا کی جاتی ہے ادھر ٹیلیفون کے ریسیور میں بھی ایک مقناطیسی جز کے اوپر ایک معدنی گول پتی رکھی ہے۔ مقناطیس کے گرد تاروں میں مائیکروفون سے چلی ہوئی بجلی آتی ہے اور مقناطیس اثر سے اس پتی میں ارتعاش پیدا کرتی ہے ریسیور میں کرنٹ کی مقدار اور رفتار

تحریک (فریکوئنسی FREQUNCY) مائیکروفون میں پڑے ہوئے آواز کی مطابقت کرتی ہے جس طرح کسی آواز سے ہوا میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ریسیور کی پتی میں ارتعاش کے مطابق ہوا میں لرزہ پیدا ہوتا ہے۔ ہوا کا یہ لرزہ کانوں میں پہنچ کر اسی قسم کی ہو بہو آواز کا احساس دلاتا ہے جس طرح مائیکروفون کے سامنے کی آواز ہوتی ہے۔ مائیکروفون میں جب کوئی بولتا ہے تو اس کی پتی میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے یہ پتی بولنے اور سننے والے کے درمیان برقی سلسلے کا ایک جزء ہوتی ہے اور اس کے ارتعاش ہی کے مطابق کرنٹ کی مقدار اور فریکوئنسی میں تبدیلی ہوتی ہے۔ کرنٹ کی یہ لمحہ بہ لمحہ تبدیلیاں تار سے ہوتی ہوئی ریسیور تک پہونچ کر بولی ہوئی آواز کی دوبارہ تخلیق کرتی ہیں۔ اس طرح مائیکروفون ریسیور اور بجلی کے ذریعہ ایک بار نکلی ہوئی آواز کی مصنوعی تخلیق ہوتی ہے۔

بولنے والے کی آواز لاؤڈ اسپیکر تک

خطاب عام (پبلک ایڈریس) میں مکبر الصوت سے آواز آنے کے لئے کم و بیش وہی حالات کارفرما ہوتے ہیں جو ایک شخص سے دوسرے تک ٹیلی فون پر بات کرنے میں ہوتے ہیں، خطیب اور سامعین کے درمیان تین خاص برقی آلات ہوتے ہیں۔ مائیکروفون اسپیچ ایمپلیفائر اور لاؤڈ اسپیکر۔

بنیادی مائیکروفون ایک خاص معدنی کوئلہ (کاربن) سے بنے ہوئے ایک گول بلاک کی شکل کا ہوتا ہے اس کے اندر کیے ہوئے دائرے رہتے ہیں جس میں کوئلہ کے باریک دلنے (کاربن گرے نول) بھرے رہتے ہیں۔ یہ ذرات اُوپر سے کاربن کی ایک گول پتی (ڈایا فرام) سے دبے رہتے ہیں۔ مائیکروفون سے بجلی کے دو تار نکلتے ہیں ایک اس گول پتی سے لگا ہوتا ہے

دوسرا کاربن بلاک ہے۔ کاربن کے ذرّات میں سے کرنٹ کو گزرنے میں ایک مقررہ رکاوٹ (رزسٹنس) ہوتی ہے جب آواز مائیکروفون کی پتی پر پڑتی ہے تو اس میں ارتعاش ہوتا ہے۔ دبنے سے ذراتِ کاربن بھی دبتے ہیں اور کرنٹ کو گزرنے میں رکاوٹ کم ہو جاتی ہے جس سے اس کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ ارتعاش ہی میں پتی کے اُوپر اُٹھنے سے ذرّات میں باہم نسبتاً بڑھ جاتا ہے۔ کرنٹ کو گذرنے میں رکاوٹ بھی اسی قدر بڑھ جاتی ہے۔ اور نتیجۃً اس کی مقدار کم ہو جاتی ہے اس طرح کاربن کی پتی حرکت کرتی ہے۔ اور اسی مطابقت سے کرنٹ کی مقدار کم و بیش ہوتی رہتی ہے ہر آواز کے لیے مختلف کمی و بیشی ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مائیکروفون کے سامنے آئی ہوئی آواز کی فریکوئنسی کی مطابقت سے اس کی برقی تاروں میں ہر لحظہ بدلتی ہوئی مقدار کی کرنٹ پیدا ہوتی ہے۔ اس قسم کا مائیکروفون اگرچہ عام ٹیلیفون کے لیے مناسب ہے لیکن خطابِ عامہ کے لیے زیادہ موزوں نہیں ہے اس واسطے کہ انسانی آواز کی فریکوئنسی کے وسیع حدود میں یہ پوری مطابقت سے کام نہیں کرتا۔ وہ مائیکروفون جو خطابِ عامہ کے کام آتے ہیں اس بنیادی مائیکروفون میں کچھ ردّ و بدل اور مزید اصلاح کے بعد بنائے جاتے ہیں۔

مائیکروفون میں پیدا شدہ کم زور کرنٹ براہِ راست لاؤڈ اسپیکر سے آواز پیدا کرنے کے لیے ناکافی ہوتا ہے۔ آواز کو کافی بلند کرنے کے لیے مائیکروفون اور لاؤڈ اسپیکر کے درمیان ایک تیسرا برقی آلہ ہوتا ہے جسے ایمپلی فائر کہتے ہیں۔ ایمپلی فائر مائیکروفون کے کرنٹ کو کئی گنا بڑھا کر لاؤڈ اسپیکر کو دیتا ہے۔ یہ برقی آلہ والوز رسسٹر کنڈنسر اور ٹرانسفارمر وغیرہ سے مرتب ہوتا ہے اور بجلی یا بیٹری کے کرنٹ سے کام کرتا ہے۔ کرنٹ کی طاقت کس درجہ بڑھے گی یہ ایمپلی فائر کے

ڈیزائن اور اس کے اجزاء کی خوبی پر منحصر ہے۔

اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز مختصر حدود تک پہنچانی ہے یا وسیع حدود تک اس کے لیے ایمپلی فائر سے حاصل شدہ برقی طاقت تاروں کے ذریعے ایک یا چند لاؤڈ اسپیکروں میں دی جاتی ہے۔ خود لاؤڈ اسپیکر دیکھنے میں گول اور گاؤدم کون ہوتا ہے پتلے مگر سخت کاغذ کا ایک دائرہ نما تختہ کناروں پر ایک لوہے کے ڈھانچہ سے چمٹا ہوتا ہے اور مرکز پر ایک تار کوائل کے کنارے سے لگا ہوتا ہے۔ ایمپلی فائر سے حاصل شدہ کرنٹ کوائل کے دونوں سروں تک تاروں کے ذریعہ سے لائی جاتی ہے۔ کوائل میں کرنٹ کی تبدیلیاں اس کی مقناطیسی خصوصیات میں تبدیلیاں پیدا کرتی ہیں جس سے کوائل خود بھی اپنی جگہ سے آگے پیچھے جنبش کرنے لگتا ہے اور کاغذ کا یہ خول جس سے کوائل جڑا ہوتا ہے وہ بھی اسی مطابقت سے حرکت کرتا ہے اور کاغذ کی اسی حرکت سے اس کے ارد گرد کی ہوا میں اسی مطابقت سے حرکت ہوتی ہے اور اس سے کانوں میں بولنے والے کی آواز کی طرح ایک آواز کا احساس ہوتا ہے۔

مختصراً یوں سمجھیے کہ بولنے والے کی آواز سے مائیکروفون میں ارتعاش ہو کر برقی لہریں پیدا ہوتی ہیں اور ان لہروں کی طاقت کو ایمپلی فائر کے ذریعہ بڑھایا جاتا ہے۔ اور یہ بڑھی ہوئی طاقت لاؤڈ اسپیکر کے سخت کاغذ کو متحرک کرتی ہے جس سے ارد گرد کی ہوا میں تحریک ہوتی ہے اور اس سے کانوں میں آدمی کی بولی ہوئی آواز کی سی آواز کا احساس ہوتا ہے۔

ایک مثال

مائیکروفون اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو واضح طور پر سمجھنے کے لیے بجلی سے بجنے والی ایک گھنٹی کی مثال کو پیش نظر رکھیے۔ اس گھنٹی کا بٹن دروازہ کے باہر لگا

ہوتا ہے اور گھنٹی گھر کے اندر ہوتی ہے۔ اب جس وقت بھی بٹن کو باہر دبایا جائیگا گھنٹی گھر کے اندر بجے گی۔ اب جس تناسب سے بٹن دبایا جاتا رہے گا گھنٹی اسی تناسب سے بجی اور خاموش ہوتی رہے گی۔ اب یہ سمجھنا کہ گھنٹی کو انگلی کے دباؤ نے براہِ راست بجایا، غلط ہے، یہ کام تو بجلی کے تاروں سوچ کی پتیوں اور گھنٹی کے اندر کے پرزوں کے عمل کا نتیجہ ہے۔ انگلی کا دباؤ تو بٹن پر لگ کر ختم ہو گیا تھا آگے بجلی اور گھنٹی کے اندر کے مقناطیسی پرزوں کی سب کارستانی ہے کہ گھنٹی بجتا ہے۔ ایسے ہی بولنے والے کی آواز سے مائیکروفون کے ڈایا فرام (معدنی پتی) پر تھرتھراہٹ آکر آواز تو یہاں ختم ہو گئی۔ آگے سب کام بجلی کے تاروں، بجلی کے کرنٹ اور مائیکروفون ایمپلی فائر اور لاؤڈ اسپیکر کے پرزوں کا ہے۔ جن سے دوبارہ از سرِ نو (اصلی آواز کی طرح) ہو بہو آواز پیدا ہوتی ہے۔

صدائے بازگشت اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز میں فرق

آواز بڑھتے ہوئے دائرہ نما لہروں کی طرح فضاء میں آگے بڑھتی ہے کانوں کو اس کا پہلا احساس اس وقت ہوتا ہے جب یہ لہریں کانوں کے پردوں پر براہِ راست پڑتی ہیں آواز سے پیدا شدہ ہوا کی کچھ لہریں سننے والے سے گزر کر آگے بڑھتی رہتی ہیں اگر ان بڑھتی ہوئی لہروں کی راہ میں کوئی رکاوٹ آجاتی ہے تو یہ اس سے ٹکرا کر واپس ہوتی ہیں۔ واپس ہوتی ہوئی لہریں بھی دوبارہ سننے والے کے کانوں تک پہونچ کر آواز کا احساس دلاتی ہیں۔ لیکن پہلی سنی ہوئی آواز کے کچھ دیر بعد۔ اس واپس آئی ہوئی آواز کو صدائے بازگشت کہتے ہیں۔ صدائے بازگشت اور اصل آواز میں براہِ راست تعلق ہے اور ان کی رفتار بھی ایک ہے۔ لیکن لاؤڈ اسپیکر کی آواز اصل آواز نہیں ہوتی، بلکہ اسی مطابقت کی ایک

جدید تخلیق ہوتی ہے۔ یہ تخلیق مائیکروفون سے بدلتی ہوئی بجلی کی لہروں اور لاؤڈ اسپیکر کے برقی اثرات سے حاصل ہوتی ہے۔ بجلی کی لہروں سے بننے والی آواز کی رفتار اصل آواز سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے چنانچہ اگر لاؤڈ اسپیکر مائیکروفون سے بہت دور بھی رکھا ہو تب بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بولنے والے اور لاؤڈ اسپیکر کی آوازیں ساتھ ساتھ نکل رہی ہیں حالانکہ خود اصل آواز کو اتنی ہی دور جانا ہو تو کافی وقت درکار ہوگا۔ اگر مائیکروفون۔ لاؤڈ اسپیکر یا ایمپلی فائر کے کچھ اجزاء بگڑ جائیں یا بجلی فیل ہو جائے تو اس مصنوعی آواز کا مکمل "بلیک آوٹ"، ہو جاتا ہے۔ فقط۔

مکبر الصوت کی آواز

از رائے مسٹر اپل کینیوٹ، ایم، بی۔ ٹی اے، پی۔ ایم جی۔ ٹیلکم آسٹریلیا۔ کولمبو پلان ایکسپرٹ ٹیلی کمیونیکشن اسٹاف کالج ہری پور ہزارہ۔

سوال: جب کوئی آدمی مائیکروفون میں بولتا ہے اور اُس کی آواز مکبر الصوت سے از سرِ نو پیدا ہوتی ہے تو کیا لاؤڈ اسپیکر سے نکلنے والی آواز آدمی کی حقیقی آواز مانی جا سکتی ہے۔

جواب: میری رائے میں مکبر الصوت سے نکلنے والی آواز بولنے والے آدمی کی حقیقی آواز نہیں تسلیم کی جا سکتی حقیقی آواز کی صوتی لہریں مائیکروفون کے ڈایافرام پر پڑتی ہیں جسے ایمپلی فائر لاؤڈ اسپیکر سسٹم ایسے طریقہ پر کنٹرول کرتا ہے کہ حقیقی آواز کی قابلِ شناخت نقل پیدا ہو جاتی ہے (ری پروڈکشن) از سرِ نو پیدا کرنا کہ اِس لفظ میں ہی جو ایسے سامان پر بالعموم بولا جاتا ہے۔ یہ حقیقت مضمر ہے کہ یہ آلہ آواز کو از سرِ نو پیدا کر رہا ہے نہ کہ یہ حقیقی آواز ہے۔ ایک چالاک نقال یا بھروپیا اسطرح کے مصنوعی آواز کے تماشے دکھا سکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کی نقلی آواز منقول عنہ

شخصیت کی واضح طور پر حقیقی آواز نہیں تسلیم کی جا سکتی۔

سوال:۔ کیا اس طرح کی آواز کا جسے مکبر الصوت از سرِ نو پیدا کرتا ہے حقیقی آواز ہونے کے معیار پر صدائے بازگشت سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

جواب:۔ میری رائے میں ان دونوں کا آپس میں مقابلہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ لاؤڈ اسپیکر سے نکلنے والی آواز کے مقابلہ میں صدائے بازگشت اصلی آواز کی بہت بہترین نقل ہے۔ ایک اچھی صدائے بازگشت کے بارہ میں پھر بھی یہ ثبوت مہیا ہو سکتا ہے کہ وہ عملاً اصلی آواز کے جملہ خصوصیات کی حامل ہے اور فنی طور پر یوں محسوب ہو سکتی ہے کہ وہ سوائے سمت کی تبدیلی کے باقی حیثیات سے اصلی آواز ہے مگر بہترین ایمپلی فائر لاؤڈ اسپیکر سسٹم کی پیداوار میں قطع نظر از یں کہ وہ مصنوعی پیداوار ہے۔ اصلی آواز کی بعض خصوصیات بھی بدستور معدوم ہوتی ہیں۔

مکبر الصوت کی آواز ۲

از مسٹر سی ڈبلیو سی رچرڈس ایسکوائر بی ایس سی، انجینئرنگ انگلینڈ
اے، ایم، سی، ای، اے، ایم، آئی۔ ای ای کولمبو پلان ایکسپرٹ ایڈوائزر
حکومت پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اسٹاف کالج ہری پور ہزارہ ۶ دسمبر ۶۵ء

سوال:۔ جب کوئی شخص مائیکروفون میں بولتا ہے اور اس کی آواز مکبر الصوت پر ظاہر ہوتی ہے تو کیا یہ مکبر الصوت سے نکلنے والی آواز بولنے والے کی حقیقی آواز مانی جا سکتی ہے۔ یا یہ ایک مصنوعی آواز ہوتی ہے؟

جواب:۔ یہ میری سمجھی ہوئی پختہ رائے ہے کہ مکبر الصوت سے نکلنے والی آواز یہ نہیں مانی جا سکتی کہ یہ آدمی کے کلام کی اصلی آواز ہے جو آواز مکبر الصوت سے سنی جاتی ہے۔ وہ بولنے والے کی آواز کی محض ایک نقل ہے اور یہ نقل بھی بالکل

مصنوعی ہے۔ یہ آواز ایک آلہ سے نکلتی ہے۔ جسے الیکٹرومکینیکل ٹرانسڈیوسر کہتے ہیں اور اس سے ہوا میں تھرتھراہٹ پیدا ہوتی جس سے کانوں میں آواز کا احساس ہوتا ہے۔ اس کا اس آواز سے جو آدمی کے منہ سے نکلتی ہے کوئی بلاواسطہ تعلق نہیں ہے۔ مزید برآں یہ نقل اس حد تک غیر کامل ہوگی۔ جتنا اُس آواز کو از سرِ نو پیدا کرنے والے آلے کے مختلف پرزے غیر کامل ہوں گے۔

یہ مسئلہ زیادہ صفائی سے یوں حل کیا جا سکتا ہے کہ ایک آدمی کو ایک ہوا بند کمرے میں مائیکروفون پہ بات کرتا ہوا غور کیا جائے (جس میں نہ ہوا باہر سے اندر جا سکے نہ اندر سے باہر آسکے) کمرے کے باہر مکبر الصوت پر اس کی آواز تو سنی جا سکتی ہے۔ مگر یہ جسمانی طور پر غیر ممکن ہے۔ کہ اس آدمی کے اصل کلام کی ذرا سی بھی اصلی آواز باہر سنی جا سکے۔ چنانچہ سخت قانونی زاویہ نظر سے بھی بلا کسی جھجک کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مکبر الصوت سے نکلنے والی آواز آدمی کے بول کی آواز نہیں۔

سوال:۔ جب ایک آدمی کوئیں یا گنبد والی عمارت میں بولتا ہے تو اس کی آواز صدائے بازگشت کی حیثیت سے واپس ہوتی ہے تو آیا یہ صدائے باز گشت مکبر الصوت کی آواز سے کچھ مختلف ہے؟۔

جواب:۔ کوئیں یا گنبد والی عمارت کی صدائے بازگشت آدمی کی اصلی آواز کی لہروں سے واپس آنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے بالفاظ دیگر صدائے بازگشت کو آدمی کی اصلی آواز سے نکلا ہوا سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ آواز ایک حائل شدہ حد سے واپس آکر سننے والے کے کانوں میں پہنچتی ہے۔ اس طرح دراصل صدائے بازگشت اور آدمی کی اصلی آواز میں بلا واسطہ کا تعلق ہے۔ مگر مکبر الصوت کی آواز اور آدمی کی اصلی آواز کا آپس میں کوئی بلا واسطہ کا تعلق نہیں۔ اس طرح صدائے

بازگشت کا آدمی کی اصلی آواز سے پورا تعلق ہے مگر مکبر الصوت کی آواز کا آدمی کی اصلی آواز سے تعلق بالکل صفر ہے۔

مصنوعی آواز ۳

رائے مسٹر آر۔ایچ ہمینس اسکوائرڈ ائریکٹر آف انجینرنگ، مانچسٹر ۳ انگلینڈ۔ گرانا ٹیلی ویژن نیٹ ورکس لمیٹڈ۔

میری فنی معلومات کی رو سے یہ پختہ رائے ہے کہ آلہ مکبر الصوت سے پیدا ہونے والی آواز جس کو عام پبلک جلسوں میں استعمال میں لایا جائے حقیقی آواز کے مترادف نہیں قرار دیا جا سکتا۔ جیسا کہ انسان کی حقیقی آوازیں پیدا ہوتی ہو یہ ایک گونج ہے اس سے زیادہ نہیں اور حقیقی آواز نہیں اور مثل کسی تصویر کی نقل کے ہے حقیقی تصویر نہیں۔

ایک ٹیلیفون سے دوسرے ٹیلیفون تک بات کسطرح پہونچتی ہے

رائے مسٹر شانزمن ٹیلی کمیونیکشن والیکٹرک انجینیراز ایس اینڈ ایچ جرمنی جنرل منیجر ٹیلیفون فیکٹری ہری پور ہزارہ۔ (۶۸ء)

ٹیلیفون ایکس چینج کی وساطت سے ٹیلیفون پر بات کرنے والے ایک شخص کا دوسرے شخص سے رابطہ قائم ہو جانے کے بعد حسب ذیل طریقہ پر بات چیت ہوتی ہے بولنے والے آدمی کی آواز ہوا میں ارتعاش پیدا کرتی ہے۔ یہ ارتعاش ٹیلیفون کے مائیکروفون کی معدنی پتی (ڈایا فرام) سے ٹکراتی ہیں۔ اس پتی میں ارتعاش کی لہروں اور اصل آواز کی فریکوئنسی کے مطابق حرکت ہوتی ہے۔ پتی کے نیچے خاص قسم کے معدنی کوئلہ کے ذرات (کاربن گرینول) ہوتے ہیں اور ان میں باہم دباؤ اسی مطابقت

سے کم وبیش ہوتا ہے۔

دباؤ کی تبدیلی سے کرنٹ میں رکاوٹ (رزسٹنس) بھی کم وبیش ہوتی ہے زیادہ۔ یعنی کرنٹ میں رکاوٹ (ڈایافرام) معدنی پتی میں حرکت کے مطابق ہوتی ہے۔ اور یہ حرکت اصل آواز کی فریکوئنسی کے مطابق ہوتی ہے۔ چنانچہ معدنی ذرات میں سے گذرتی ہوئی کرنٹ کی مقدار میں اس رکاوٹ میں تبدیلیوں کے مطابق کمی بیشی ہوتی ہے۔

بدلتی ہوئی مقدار کی یہ کرنٹ تاروں کے ذریعے دوسرے آدمی کے ٹیلیفون تک پہونچتی ہے اور وہاں پر اصل آواز کی تجدید مندرجہ ذیل طریقہ پر ہوتی ہے۔

کرنٹ دوسرے ٹیلیفون کے ایک مقناطیسی جز میں سے گذرتی ہے۔ اور اس کے اوپر رکھی ہوئی معدنی کوئلہ کی پتی (ڈایافرام) میں ارتعاش پیدا کرتی ہے پتی کے ارتعاش کے مطابق اردگرد کی ہوا میں لہریں پیدا ہوتی ہیں آواز کو دور دراز تک پہنچانے کے لیئے کیریر سسٹم رائج کیئے گئے ہیں جس کے ذریعے صرف دو ہی تاروں کی لائن پر بیک وقت ایک سے زیادہ آدمی بات کر سکتے ہیں لاسلکی کے ذریعے بھی برقی مقناطیسی لہروں کی مدد سے آواز دور دراز تک پہنچائی جا سکتی ہے ٹیلیفون ہی کے اصولوں کا اطلاق مکبر الصوت پر ہوتا ہے۔ مگر یہاں بہتر خواص کے یعنی کوئلہ کے ذرات والے کے بجائے کنڈنسر یا کرسٹل مائیکروفون استعمال کیئے جاتے ہیں آگے بھیجنے سے اُن سے پیدا شدہ کرنٹ کی طاقت ایک خاص برقی آلہ سے بڑھائی جاتی ہے۔ اسی طرح ٹیلیفون نیز مکبر الصوت میں اصل آواز کی مصنوعی طور پر دوبارہ تخلیق ہوتی ہے۔ فقط۔

آلاتِ جدیدہ اور مسلمان

از احقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ صدر دار العلوم کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جب سے دنیا آباد ہے، کسی زمانہ میں کسی فن کا اور کسی زمانہ میں کسی فن کا عروج رہا ہے۔ یہ زمانہ صنعت و ایجادات کی ترقی و عروج کا ہے۔ روزانہ نئی نئی حیرت انگیز ایجادات کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ اور ظاہر پرست نظروں نے آجکل فضل و کمال کا انحصار اسی میں سمجھ رکھا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے ناواقف مسلمان بھی اس دھوکہ میں ہیں کہ خلفاء اسلام اور مسلمان سلاطین جن کے زمانہ میں یہ چیزیں ایجاد نہ ہوئی تھیں اُن کو (معاذ اللہ) بے وقوف یا کم از کم ان ایجادات سے عاجز اور اُن کے دماغوں کو نارسا خیال کرتے ہیں۔ بلکہ بعض بے باک اور ناعاقبت اندیش تو جب کسی آلۂ جدیدہ کے کچھ فوائد عباداتِ اسلامیہ کے بارہ میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ صحابۂ کرام اور اسلافِ اسلام (معاذ اللہ) یا تو ان چیزوں کی ایجاد پر قادر نہ تھے۔ اور یا اُنھوں نے غفلت کی کہ ایسی فائدہ مند چیزوں کو بہم نہ پہنچایا جن سے نہ فقط دنیوی راحت و آسائش کا سامان بہم پہنچا ہے بلکہ بہت سی طاعات و عبادات بھی ان کے ذریعہ بوجہ اکمل ادا ہو سکتی ہیں لیکن یہ ایک بے ہودہ خیال ہے جس کے نتائج نہایت خطرناک ہیں اس لئے اس کے متعلق مختصراً اظہارِ واقعہ ضروری معلوم ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات اُس کو پیدا ہوتے ہیں جس
نے اسلام کی غرض و غایت اور مقصد و مطلب کو نہیں سمجھا۔ اور جس کو یہ معلوم
نہیں کہ آسمانی مذہب کس لیے بھیجا جاتا ہے اور انبیاء کس غرض کے
لیے دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے نظروں میں تفاوت
عظیم ہے۔ وہ جس چیز کو معراجِ کمال سمجھے ہوئے ہیں آسمانی ملت اُس کو انتہائی
تنزل و انحطاط قرار دیتی ہے۔ ع

معشوقِ من آنست کہ نزدیکِ تو زشت است

بات یہ ہے کہ اسلام بلکہ ہر آسمانی مذہب و ملت انسان کو اس کی
ہدایت کرتا ہے کہ مادیات کا استعمال و اشتغال صرف اسیقدر رکھو جس کے
بغیر کام نہ چلے۔ باقی اوقات صرف اپنے مالکِ حقیقی کی یاد میں گزارو کہ یہی
حقیقی صلاح و فلاح ہے اور یہی انسان کی اصلی ترقی ہے در نظرِ حقیقت شناس
بس صرف وہی لمحاتِ فرصت کام میں آنے والے ہیں جو رب الارباب کی
یاد میں گذر جائیں ؎

دن وہی دن ہے شب وہی شب ہے ۔۔۔ جو تری یاد میں گذر جائے

اس کے علاوہ کسی چیز کی طلب میں منہمک اور پریشان ہونا بے عقلی اور
ناعاقبت اندیشی اور جانِ عزیز کو ذلیل کرنا ہے ؎

سھر العیون لغیر وجھک باطل ∴ وبکاؤھن لغیر فقدک ضائع

تیری طلب کے سوا کسی اور کام کیلئے شب بیداری بیکار ہے۔ اور تیری جدائی کے سوا کسی چیز کے لیے رونا لغو ہے

فخر الاولین والآخرین سید الانبیاء والمرسلین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ
کرام رضی اللہ عنہم کے فقر و فاقہ کے قصے سن کر شاید کسی ناواقف کو یہ خیال ہو کہ معاذ اللہ
یہ بیچارے اگر سادہ زندگی نہ گذارتے تو اور کیا کرتے۔ اُن کو تو اتنی بھی گنجائش

نہ تھی کہ جو دنیوی سامان اُس وقت رائج تھا وہی جمع کرلیں نئی ایجادات تک تو
اُن کے خیالات کہاں پہنچتے۔

لیکن جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ رضؓ کی تاریخ
اور اُن کی قابلِ تقلید زندگی کے ہر دور کا اطمینان کے ساتھ مطالعہ کیا ہے۔ یہ
شیطانی وساوس اُس کے قلب میں نہیں آسکتے کیونکہ وہ ان حضرات کے
مجموعی حالات کو پڑھ کر یہ یقین کیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان حضرات کا فقروفاقہ
محض اختیاری تھا۔ وہ اگر چاہتے تو دُنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہ سے زیادہ
سامانِ عیش جمع کرسکتے تھے۔

مگر انھوں نے مادیات کے اشتغال اور سامانِ دنیا کی فراہمی کو ہیچ اور
لغو و ذلیل سمجھ کر چھوڑ دیا تھا اور ان سب چیزوں کے عوض صرف ایک ذات
اور اس کی رضاجوئی کا مشغلہ اختیار کرلیا تھا ؎

دام میں یار کے میں دیدہ و دانستہ پھنسا: مجھ کو نادان نہ سمجھیں دلِ دانا والے

یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے پاس بسا اوقات لاکھوں روپیہ جمع
ہوگیا مگران کی زندگی ہر حال میں فقیرانہ ہی رہی۔

یہ موقع تاریخی واقعات جمع کرنے کا نہیں ورنہ صحابۂ کرام رضؓ کی جماعت میں
سیکڑوں حضرات ایسے ہیں کہ اُن کے تموّل کے حالات بیان کیئے جائیں تو حیرت
ہوجائے۔ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پڑھیئے تو معلوم ہوگا
ہزارہا روپیہ آپؐ نے ایک ہی مجلس میں تقسیم کرڈالا۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام
نے جب باذنِ خداوندی آپ سے عرض کیا کہ اگر چاہیں تو میں مدینہ کے پہاڑوں
کو خالص سونا بنادوں تو مسکنت کی زندگی پسند کرنے والے اور مساکین کے
میں ملے جلے رہنے والے، سلطانِ دوعالم ؐ نے یہی عرض کیا کہ مجھے یہ تمول پسند نہیں

الغرض یہ محض ایک شیطانی خیال ہے کہ ان حضرات کا دنیوی سامانِ عیش سے اجتناب بوجہ افلاس کے تھا۔ نہیں بلکہ افلاس اس وجہ سے تھا کہ وہ ان مادیات کے اشتغال وانہماک سے متنفر ہو کر یہ دعائیں مانگا کرتے تھے۔

اللھم احینی مسکینا	یا اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ
وامتنی مسکینا واحشرنی	رکھیئے اور اسی حالت میں موت دیجیے
فی زمرۃ المساکین۔	اور مساکین ہی کی جماعت میں میرا حشر کیجیے

الغرض اسلام اور ہر مذہبِ حق انسان کو ببانگِ بلند یہ دعوت دے رہا ہے کہ ناز ونعم اور عیش وعشرت میں منہمک رہنا، پیٹ بھرنے یا شہوت ولذائذ کی طلب میں سرگرداں پھرنا انسان کا کام نہیں بلکہ اس کام میں تو بہت سے حیوانات انسان سے زیادہ امتیاز رکھتے ہیں۔ بلکہ حیوانات میں بھی مسکین گدھا جو سب سے زیادہ حقیر ہے وہی شہوت اور پیٹ بھرنے میں ضرب المثل ہے شہد کی مکھی کا مسدس گھر دیکھیئے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے پرکار لے کر اس کے اضلاع کو ٹھیک کیا ہے۔ مکڑی کے کاتے ہوئے باریک تار اور اس کے بُنے ہوئے جالے کو دیکھیئے تو مانچسٹر اور لنکا شائر کی مشینیں اُن کے مقابلہ میں فیل نظر آتی ہیں۔

غرض عیش پرستی اور اسکے لیئے طرح طرح کی ایجادات کو سرمایہ فضل وکمال سمجھنا اُسی شخص کا کام ہے جو حقیقی فضل وکمال سے محروم ہے کیونکہ انسان کی سعادت وفضیلت صرف اس میں ہے کہ اپنے مالک کے حق کو پہچانے، اُس کی یاد اور اطاعت وعبادت میں اپنے اوقات کو مشغول رکھے، دنیوی سامان صرف اُتنی قدر جمع کرے جس کے بغیر کام نہیں چلتا۔

حضرت لقمان حکیم علیہ السلام نے اس مضمون کو ایک نہایت بلیغ جملہ میں اسطرح

ارشاد فرمایا ہے :-

اعمل لدنیاك — دنیا کے لیے اُسی قدر کام کرو جس قدر

بقدر بقائك فیھا — تمھیں اس میں رہنا ہے اور آخرت کے لیے

واعمل لآخرتك بقدر — اُس قدر سامان جمع کرو جس قدر تمھیں وہاں

بقائك فیھا — رہنا ہے، اور ظاہر ہے کہ دنیا کا قیام

روزہ اور آخرت کا دائمی ہے اُس کے لیے سامان بھی زیادہ چاہیے۔

یہی وجہ ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی کسی مذہب پرست قوم نے ان مادی

ترقیات پر دل نہیں دیا، اور اس میں مذاہب حقّہ سے گذر کر مذاہب باطلہ بلکہ قدما

فلاسفہ تک شریک ہیں کہ وہ اگرچہ علمی تحقیق کے درجہ میں عالم عناصر و افلاک کے ہر شعبہ

طبقات الارض، کائنات الجو، نجوم و حرکات نجوم پر گذرے اور ایسی دقّت نظر اور تحقیق

و تدقیق کے ساتھ گذرے کہ باقرار اہل یورپ اگر آج اُن کے انکشافات سائنس

جدید کے سامنے نہ ہوتے تو دنیا میں اُس کا وجود ہی نہ ہوتا۔ یہ ساری حیرت انگیز

ایجادات اور نئے نئے انکشافات اُنھیں اُصولِ قدیمہ کے پھل پھول ہیں جو قدیم

فلاسفہ کے قائم کیے ہوئے ہیں۔

لیکن ان سب چیزوں کے باوجود اُن کی تمام تر توجہ الٰہیات کی طرف رہی اور

انسان کا اصلی کمال اسی کی معرفت کو سمجھا اور اُس کے لیے چونکہ ریاضات و مجاہدات

کے ذریعہ اصلاحِ نفس کو ضروری سمجھا اس لیے عملاً بھی عموماً یہ لوگ تارک الدنیا ہو کر

ریاضات میں مشغول رہے۔ یہ دوسری چیز ہے کہ بدقسمتی سے انھوں نے الٰہیات

کی دشوار گذار گھاٹیوں کو طے کرنے میں محض اپنی عقل کی رہبری کو کافی سمجھ لیا۔ نبوت

وحی کے واسطہ کی ضرورت نہ سمجھی اس لیے ٹھوکریں کھائیں اور مہلک غاروں میں

جا پڑے۔

الغرض ہر مذہب وملّت کی تو بنیاد ہی ترکِ دنیا اور توجہ الی اللہ پر ہے۔ فلاسفہ جو کوئی مذہبی طبقہ نہیں وہ بھی محض باقتضاءِ عقل اسی زہد و ریاضت کو کمالِ انسانی سمجھتے تھے۔

یہی اور صرف یہی وجہ تھی کہ ان لوگوں نے کَل پُرزوں کی ساخت اور مشینوں موٹروں کی ایجاد میں مشغول ہونے کو تضیعِ وقت اور ایک لغو مشغلہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ نہ یہ کہ یہ چیزیں اُن کی قدرت سے خارج تھیں۔ یا اُن کے دماغوں کی رسائی اس حد تک نہ تھی۔

یہی وجہ ہے کہ سلطنتِ اسلامی کے آخری دور میں جب دنیا اس نظریہ سے محروم ہونے لگی اور عیش وعشرت اور ناز ونعم کو انسان کی انتہائی سعادت سمجھ لیا گیا تو تھوڑے ہی عرصہ میں سیکڑوں ایسی ایجادیں سامنے آگئیں کہ اُن میں سے بعض کی تو سائنسِ جدید نقل بھی نہیں کر سکی اور بعض کی نقل اُتار کر ایجاد کا سہرا اپنے سر رکھ لیا۔

دمشق کی تعمیراتِ قدیمہ، اندلس کی حیرت انگیز ایجادات وتکلفات کی اگر کچھ تفصیل سامنے رکھدی جائے تو موجودہ سائنس کے متعلق شاید ہر شخص کہہ اٹھے کہ ؎

اپنی یکتائی پہ نازاں تھا وہ شوخ :: آئینہ دیکھا تو حیرت ہو گئی

اور یہ کہ ؎

اپنی تصویر پہ نازاں ہو تمہارا کیا ہے :: چشم نرگس کی، دہن غنچہ کا، حیرت میری

کیونکہ اُس وقت معلوم ہو جائیگا کہ دنیا کی مفید اور ضروری ایجادات بیشتر عرب اور مسلمانوں کی مرہونِ منت ہیں اور وہ اُس وقت ایجاد ہوئی ہیں جبکہ متمدن دنیا میں کہیں یورپ واہلِ یورپ کا ذکر تک نہ تھا۔ بطور نمونہ چند مثالیں اس وقت سامنے

لائی جاتی ہیں :۔

اعلیٰ قسم کے کپڑے

دمشق، شام اور اشبیلہ، اندلس اور ہندوستان کی دیدہ زیب اور نفیس و بہترین صنعت، اس بارہ میں اس قدر مشہور و معروف ہیں کہ بیان کی حاجت نہیں خود انگریز اس کے مُقِر ہیں۔

اندلس پر عربوں کی حکومت کے زمانہ میں ۱۱۵۵ء میں ایک اشبیلہ کے اندر سولہ ہزار کارخانے بہترین کپڑا تیار کرتے تھے جن میں ایک لاکھ تیس ہزار ماہر فن بننے والے اور مزدور کام کرتے تھے (غابر الاندلس و حاضرہا ص۳۰)

اندلس ہی کے بعض شہر مریہ وغیرہ میں چھ ہزار کارخانے صرف ریشمی کپڑے اور اطلس و بانات وغیرہ بنتے تھے۔ اور آٹھ سو کارخانے صرف کشیدہ کاری اور چادروں کے حواشی پر بیل بوٹے نکالنے کا کام کرتے تھے۔

ململ وغیرہ باریک اور نفیس کپڑے سرقسطہ میں بکثرت بُنے جاتے تھے۔ اہل یورپ نے اُن کی نقل اتاری اور آج تک بھی اُن کی طرف منسوب ہے۔ انگریزی میں کہا جاتا ہے DAM ESSER (یعنی دمشقی طرز پر کپڑا بُنا)

برتن اور آرائشی چیزیں

چینی اور کانچ کے نفیس برتن اور آرائش کی عجیب عجیب چیزیں جو آج انگریزوں کی برکات سمجھی جاتی ہیں۔ یہ اُن کے تمدنی وجود سے صدیوں پہلے عرب صنّاعین کے ہاتھوں وجود میں آئی ہیں۔ شہر مالقہ اس صنعت کے لیے مشہور و معروف ہے۔ یہاں کے خوبصورت نفیس برتن دنیا بھر میں جاتے تھے۔ اسی کی وجہ سے

آج تک بلادِ عرب میں عمدہ پلیٹوں اور برتنوں کو مالقی کہتے ہیں۔ اس کا پہلا موجد عباس بن فرناس حکیم اندلس ہے (غابر الاندلس)

کاغذ

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ کاغذ کے کارخانے یورپ کی ایجاد ہیں۔ ان سے پہلے وہی رو کھے کاغذ جو عام طور پر قدیم کتابوں میں نظر پڑتے ہیں، رائج تھے لیکن تاریخ دیکھو تو حقیقت معلوم ہو کہ اس صنعت کو اوجِ کمال پر پہنچانے والے اہلِ شاطبہ ہیں (شاطبہ) بلادِ اندلس میں سے ایک شہر کا نام ہے۔

وفی شاطبۃ یعمل الکاغذ الجید ویحمل منھا الی سائر بلاد الاندلس (غابر الاندلس)	شہر شاطبہ میں نفیس کاغذ بنایا جاتا ہے۔ اور یہیں سے تمام بلادِ اندلس میں جاتا ہے۔

مطبع اور چھپائی کی ایجاد

چھپائی کی مشین اور مطابع کی ایجاد عام طور پر یورپ کا فیض سمجھا جاتا ہے اور گوتمبرگ کو اس کا موجد قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن تاریخ دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اس کے پہلے موجد مسلمان ہیں۔ اندلس میں اس کی ایجاد ہوئی۔ مگر افسوس کہ اس کی تفصیلات نہیں ملیں۔ موجودہ تاریخ اندلس صرف اس اجمال کا پتہ دیتی ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے سلطان ناصر کے وزیرِ اعظم عبدالرحمٰن بن بدر شاہی فرامین کو لکھ کر چھپنے کے لیئے بھیجتے تھے اور چھپنے کے بعد اس کی ایک ایک کاپی اپنی قلمرو میں بھیجا کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ گوتمبرگ سے چار سو برس پہلے مسلمان اس کو ایجاد کر چکے تھے۔

فرش کے لیے منقش پتھر

یورپین مؤرخ میجون لکھتا ہے کہ اس میں فرش کے لیے منقش پتھروں کی صنعت عجیب و غریب ہے (غابر اندلس)

ہیئت و ریاضی آسمان اور ستارے بنانا

عرب اندلس اس فن میں دنیا کے مسلم اُستاد ہیں۔ انھیں میں سے عباس بن فرناس حکیم اندلس نے ایک مکان میں آسمان اور زمین اور ستاروں کی ہیئت بنائی تھی جس میں رعد و برق اور ابر و باراں کی پوری نقل دکھلائی تھی بادلوں کا بننا اور برسنے کا مشاہدہ کرایا تھا۔

ہوائی جہاز

انسان کے ہوا میں پرواز کرنے کا سب سے پہلا موجد بھی یہی حکیم اندلس ہے اس نے ایسے پَر ایجاد کیے تھے کہ ان کو انسان اپنے بازوؤں میں لگا لے تو اطمینان کے ساتھ پرواز کر سکتا تھا۔ موجودہ ہوائی جہازوں میں جو خطرات و مضرات ہیں یہ پَر اُن سے بالکل محفوظ تھے۔

فن زراعت و آبپاشی

اس فن کو عرب اندلس نے اس قدر مکمل کر دیا تھا کہ آج متمدن دُنیا اس کی نظیر نہیں لا سکتی۔ اندلس کے تمام بلاد میں آب پاشی کا وہ انتظام کیا گیا تھا کہ بارانی اور نہری زمینیں یکساں کام دیتی تھیں اور بجائے دو فصل سال میں

تین فصل پیدا کرتی تھیں (غابر)

صیقل گری اور پالش

یہ صنعت شام میں بہت ممتاز تھی یہیں سے عرب اندلس نے اس کو حاصل کیا اور ترقی دے کر اس حد کو پہنچا دیا کہ آج بھی یہ صنعت انھیں کے نام کیطرف منسوب ہے۔ انگریزی میں باختلافِ الفاظ کہا جاتا ہے :-

DAMASQUINER یا DAMASQUINERI یا DAMAQUINACE

یعنی لوہے، چاندی، سونے کا جڑاو یا اس پہ ملمع و پالش کرنا۔

چمڑے کی چیزیں اور اس کے کارخانے

قرطبہ میں چمڑے کی رنگائی اور اس سے طرح طرح کی استعمالی چیزوں کی ساخت اس قدر مشہور تھی کہ یہاں کی مصنوعات تمام دنیا میں تحفہ بن کر پہنچتی تھیں۔

فنِ تعمیر وانجنیری

آج کی نئی نئی تعمیرات اور اُن میں استعمال ہونے والے جدید آلات کو دیکھ کر ممکن ہے کہ وہ شخص کچھ تعجب میں پڑے جو قدیم تاریخ اور آثارِ قدیمہ کے حالات سے بالکل ہی بے خبر ہو۔ لیکن جس شخص نے بعض آثارِ قدیمہ یا اُن کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ اوّل نظر میں یقین کرے گا کہ یورپ نے ان تمام کاروبار میں عربوں اور مسلمانوں کی نقل اتارنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ آجتک کامیاب نہیں ہوئے۔ اور ان تمام فنون میں عرب ہی یورپ کے اُستادِ اول ہیں اور آج تک یورپ میں عربوں کے طرزِ تعمیر کا درس دیا جاتا ہے۔ اور وہ اُن کی

تعمیرات کی مضبوطی، بلندی، حسن و نزاکت و نقش و نگار پر فریفتہ و حیرت زدہ نظر آتے ہیں۔

اس وقت میرے سامنے اندلس کی تاریخ کا اجمالی نقشہ دکھانے والا مختصر رسالہ غابر الاندلس و حاضرہا، ہے اسی میں بلادِ اندلس قرطبہ، اشبیلیہ، غرناطہ، مجریط کی عالی شان و حیرت انگیز تعمیرات، قصر حمرا، زہرا، وغیرہ کا مطالعہ کیجئے تو بڑے سے بڑا ماہرِ فنِ انجنیر حیران رہ جاتا ہے کہ ان کے بنانے والوں نے کیا جادو کیا ہے۔ دور نہ جائیں ہندوستان ہی کے آثارِ قدیمہ پر نظر ڈالیں تو اُن میں سے کتنے ایسے نکلیں گے کہ اہل یورپ آج تک اُن کی نقل بھی نہیں اُتار سکتے۔

لوہے، پیتل اور کانچ کے آلات اور برتن

شہر مریہ میں یہ چیزیں نہایت مضبوط، خوشنما، اتنی انواع و اصناف کی بنتی تھیں کہ احاطہ نہیں ہو سکتا۔ انگریز مؤرخین خود اس کے مقر ہیں۔

رنگ

مختلف قسم کے گہرے اور ہلکے نفیس و حسین رنگ کی ایجاد بھی اندلس کے مسلمانوں کی رہینِ منت ہے۔ یہیں سے تمام ممالک عرب و عجم اور مشرق و مغرب میں ان کی مصنوعات تجارتی جہازوں کے ذریعہ جاتی تھیں۔

تجارتی جہازوں کا انتظام

اندلس کے تجارتی جہازوں کا ایک خاص نظام تھا۔ ہر ساحل پر پہنچنے اور ٹھہرنے کے اوقات مقرر تھے۔ جن کے ذریعہ وہ اپنا مال دوسرے ممالک کو دیتے

اور وہاں کی مخصوص چیزیں اپنے ملک کو لے جاتے تھے۔

گھڑی کی ایجاد

اہلِ یورپ کے اقرار و شہادت سے خلیفہ ہارون رشید کے عہد میں ہوئی ہے۔ الفلسفۃ العربیہ کی مصنفہ نے اس پر اہلِ یورپ کی شہادتیں نقل کی ہیں۔ اور غابر الاندلس کے مصنف نے نقل کیا ہے کہ حکیم اندلس عباس بن فرناس نے ایک بے نظیر گھنٹہ ایجاد کیا تھا جو آجکل عام گھنٹوں کی طرح لٹکن سے چلتا تھا اور صحیح وقت دینے میں بے مثل مانا گیا تھا۔

آرائشِ بلدہ، صفائی و روشنی کا اعلیٰ انتظام

عرب اندلس نے اس کام کو اُس وقت مکمل و منظم کیا تھا کہ یورپ اور اس کے تمدن کا کہیں نام تک نہ لیا جاتا تھا، عام سڑکوں کی درستی، اور خوب صورت و مضبوط بنانے کا انتظام سب سے پہلے اہلِ قرطبہ نے کیا اور اسی طرح تمام شہر میں روشنی کا انتظام بھی عرب اندلس کی یادگار ہے۔ قرطبہ شہر کی روشنی کا یہ حال تھا کہ شہر سے باہر تقریباً آٹھ نو میل تک چلنے والوں کو روشنی کی حاجت نہ تھی شہر قرطبہ کی روشنی میں راستہ قطع کرتے تھے (غابر الاندلس صلا)

توپیں اور بارود

اس کے پہلے موجد عرب اندلس ہیں۔ بارود کی تحقیق اور اُس کے کام لینے کی سب سے پہلے ایجاد انھیں لوگوں کی رہین منت ہیں۔ ان لوگوں کی بنائی ہوئی توپیں جن کے ذریعہ انھوں نے غرناطہ کے قلعوں سے مدافعت کا کام لیا، آجتک

اسپانیہ کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔

عورتوں کی تعلیم اور دستکاری

شہر قرطبہ کے صرف ایک ربض شرقی میں ایک سو ستر عورتیں تھیں جن میں سے ہر ایک قرآن مجید کو عمدہ خطِ کوفی میں لکھتی تھیں۔

یہ صرف ایک جانب کا حال ہے بقیہ جوانب کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ تعلیم نسواں اور ان کی گھریلو صنعت کا کیا حال تھا۔

اسلامی اندلس کی تمدنی ترقی پر اہلِ یورپ کی چند شہادتیں

ایک یورپین فاضل کاباتون لکھتا ہے:۔

"ہسپانیہ میں عرب کا تمدن تمام امور مادیہ میں نہایت شاندار تھا۔ اندلس کی غیر آباد زمینوں کے آباد اور کارآمد بنانے میں جو ذرائع اور آلات انھوں نے استعمال کیے۔ اگر ہم عرب کو ان کا موجد بھی تسلیم نہ کریں تو اس سے کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے اس فن کو انتہائی ترقی دی اور نقصانات کو رفع کیا۔ جیسا کہ ریشمی کپڑے اور چمڑے کا سامان اور چینی و کانچ کے برتن۔ روئی اور اون اور مختلف درختوں کے گودے سے تاگہ پیدا کرکے اس سے کپڑے بنانے وغیرہ کے کارخانوں کے پہلے موجد عرب ہیں بے شمار معاہد عامہ ایسے چھوڑے ہیں کہ آج آٹھ سو برس گزرنے کے بعد بھی وہ قابلِ حیرت و استعجاب نظر آتے ہیں"

(غابر الاندلس ص۱۸)

ایک یورپین مؤرخ لکھتا ہے :۔

"اندلس میں اسلامی تمدن کے زمانہ میں چار کروڑ آدمی کارخانوں میں کام کرنے والے تھے۔ اور آج یورپ کے عروج کے زمانہ میں اُس کی کل آبادی دو کروڑ دس لاکھ ہے۔ انھیں کے زمانہ میں اندلس کے بڑے بڑے ایسے شہر آباد ہوئے کہ آج اُن کے ویران کھنڈروں کو دیکھ کر ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ اُن کے زمانہ میں فنِ زراعت نہایت کامیاب اور آبپاشی کا انتظام نہایت مکمل تھا" (غابر الاندلس ص۸۷)

ایک دوسرا یورپین مؤرخ لکھتا ہے :۔

"ہسپانیہ کا وہ دَور جو عرب کے زیرِ حکومت گذرا ہے اس کا سب سے مبارک زمانہ تھا" (غابر الاندلس ص۸۲)

ایک اور یورپین مؤرخ لکھتا ہے :۔

"اسلامی عہد میں اسپانیہ کے باشندے باستثناءِ قلیل سب کے سب لکھے پڑھے تھے جبکہ مسیحی یورپ کا طبقۂ اعلیٰ بھی باستثناءِ چند بالکل ناخواندہ اور اُمّی تھا" (غابر الاندلس ص۸۷)

ایجادات و صنائع اور تمدنی ترقیات کے متعلق جو کچھ اس وقت لکھا گیا ہے یہ تمام ممالکِ اسلامیہ کا حال نہیں بلکہ صرف ایک خطۂ اندلس اور اس کے بھی مخصوص شہروں کے بعض بعض حالات ہیں۔ جو صرف ایک چھوٹے سے رسالہ سے بلا کسی خاص اہتمام و تلاش کے نقل کیئے گئے ہیں جس کی غرض صرف یہ ہے کہ آجکل کی یورپ زدہ نظریں جو برق و بھاپ کی نئی تشکیل کو انسانی معراج سمجھتی ہیں۔ اُن کے سامنے ایک معمولی سا نمونہ اس کا بھی آجائے کہ مسلمانوں نے جس وقت (اپنی محرومی و بے نصیبی سے) عہدِ سلف کا سبق

بھول کر ایجادات و صنائع کو ترقی سمجھ لیا تھا تو ایک ہی حرکت میں اُن کا قدم ساری دُنیائے تمدن سے آگے تھا۔ اور آج بھی ماہرینِ سائنس کو ان کا لوہا ماننے سے چارہ نہیں اور موجدینِ یورپ اُن کی حیرت انگیز ترقی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں :

اور سلف صالح صحابہ و تابعین اور خلفاء راشدین نے جوان چیزوں کو نظر انداز کیا تھا تو پوری بصیرت کے ساتھ یہ سمجھ کر کیا تھا کہ انسان کی اصلی سعادت اور فضل و کمال، عقل و دانش کو ان چیزوں سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ نئی نئی حیرت انگیز ایجادیں تو لایعقل جانور بھی کر لیتے ہیں۔ انسان کی اصلی ترقی اور انتہائی کمال حق تعالیٰ کی رضاجوئی ہے اور بس۔

ہاں اسی کے ساتھ شریعتِ اسلام کی ہمہ گیری کا طرۂ امتیاز ہے کہ باوجود ان چیزوں کو کمال نہ سمجھنے کے جب یہ ایجادات سامنے آگئیں تو یہ نہیں کیا کہ ان کے استعمال کو مطلقاً ناجائز یا ناپسند ٹھہرا دیا جائے بلکہ دوسری نعمائے الٰہیہ کی طرح ان کے استعمال کی بھی اجازت دی گئی۔ مگر صرف ایک شرط سے کہ وہ اصل مقصدِ انسانی یعنی رضائے حق تعالیٰ کے خلاف استعمال نہ کیے جائیں۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃ :

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
محرم ۱۳۵۸ھ

رفع الخلاف

عن حکم

فونوغراف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ علیٰ سیدنا محمد المجتبیٰ ومن بھدیہ اھتدیٰ

مسلمانوں کا ہر حرکت وسکون اور عادت وعبادت چونکہ ایک مذہبی قانون کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس لیے جب کوئی نئی ایجاد ان کے سامنے آتی ہے تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اس کی طرف ہاتھ اور قدم بڑھانے سے پہلے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کے تمام مضار ومنافع پر نظر ڈالیں اور اس کے بعد اس کے استعمال یا عدم استعمال کا فیصلہ کریں۔

گراموفون امریکہ میں ایجاد ہوا اور پھر اسلامی دنیا میں پھیلا تو اس نے بھی فقہی فتاویٰ میں چند سوالات کا اضافہ کر دیا جن کے جوابات علماء نے لکھے اور بعض طبع بھی ہوئے۔

حال میں میرے مخدوم ابن مخدوم جناب حافظ محمد یعقوب صاحب نبیرہ

قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نے احقر کو اس موضوع پر ایک مفصل تحریر لکھنے کا امر فرمایا، مجھے باوجودیکہ اپنی علمی کم مائیگی پیش نظر تھی لیکن اپنے مخدوم کے ارشاد کی تعمیل کو باعث سعادت سمجھ کر یہ جہد المقل ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

گراموفون کے متعلق فقہی سوالات اور ان کے جوابات تحریر کرنے سے پہلے چند مفید معلومات عرض کیئے جاتے ہیں جو علاوہ دلچسپی کے اصل مسئلہ کی تحقیق میں بھی کچھ نہ کچھ بصیرت پیدا کرنے والے ہیں

فونوگراف کب ایجاد ہوا اور کس نے ایجاد کیا

فونوگراف ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی "کاتب صوت" ہوتے ہیں دور حاضر میں اس آلہ کا موجد امریکہ کے مشہور فاضل اڈیسون کو بتلایا جاتا ہے جو کان کی قوت سماع اور اس کے ذریعہ سے ادراک اصوات پر غور کرتے کرتے اس عجیب وغریب نتیجہ پر پہنچا ہے (دیکھو دائرۃ المعارف للعلامۃ فرید الوجدی)

لیکن قدیم تاریخ میں یونانی فلسفہ کے علمبردار افلاطون الٰہی کے حالات میں بھی ہم ایک ایسے آلہ کا ذکر پاتے ہیں جو گراموفون کی طرح تمام انسانی آوازوں کا عکس اتارتا تھا۔ اگرچہ یہ تفصیل معلوم نہیں ہو سکی کہ افلاطون نے اس آلہ کو کن اصول پر ایجاد کیا اور کس کس چیز سے ترکیب دی۔ اور یہ کہ فاضل اڈیسون نے اسی کی نقل اتار کر اس کی ایجاد کا سہرا اپنے سر کر لیا۔ یا مستقل طور پر ایجاد کرتے ہوئے توارد خواطر ہو گیا۔

بہرحال تاریخ قدیمہ پتہ دیتی ہے کہ اس آلہ کا پہلا موجد افلاطون ہے۔ اور یہ کہ اس زمانہ کے سلاطین و امراء اسکو گراموفون کی طرح لہو ولعب میں نہیں بلکہ

سلطنت وسیاست کی بڑی بڑی مہمات میں استعمال کرتے اور نہایت مفید نتائج حاصل کرتے تھے۔ وہ جس گفتگو اور جن مقالات کو زیادہ اہم سمجھتے تھے اس کے ضبط کرنے میں کتابت کی جگہ اس آلہ سے کام لے کر ہر قسم کی تحریف اور جعل سازی وغیرہ کے خطروں سے مامون ہو جاتے تھے۔

آج عدالتوں میں مدعی اور مدعیٰ علیہ اور ان کے گواہوں کے بیانات اور ان پر جرح اور بحث پھر عدالت کے فیصلوں کے لیئے نہایت اہتمام سے مسلیں بنتی ہیں اور سیکڑوں ورق سیاہ کیئے جاتے ہیں اور ایک مستقل عملہ اس کام کے لیئے رکھنا پڑتا ہے۔ اس پر بھی یہ مسلیں جعلسازی اور تحریف و تغیر سے ہرگز مامون نہیں ہوتیں اس زمانہ کے سلاطین اور حکام یہ کام بھی اکثر اسی آلہ سے لیتے تھے جس کے ذریعہ عدالت ماتحت کی تمام کارروائی عدالتِ عالیہ کے سامنے ایسی صاف واضح ہوتی تھی کہ گویا وہ خود اس مقدمہ کی سماعت میں شریک تھی۔ اور نہ کسی کا کوئی لفظ بدلا جاسکتا ہے اور نہ کسی کو اس سے انکار کرنے کی مجال باقی رہتی ہے۔ (ازاحۃ الوہم للعلامۃ محمد نجیب المصری رئیس المجلس العلمی بمحکمۃ مصر الکبریٰ الشرعیہ صفحہ ۱۲)

دوسری بات اس جگہ یہ قابل غور ہے کہ:۔

فونوگراف میں حامل صوت ہوا بھری ہوتی ہے یا وہ از خود کلمات قطع کرتا ہے

اس کے متعلق عام طور پر یہ مشہور ہے کہ ریکارڈ میں حامل صوت ہوا بھری ہوئی ہوتی ہے اور وہی بطور آواز باز گشت مکرر سنائی دیتی ہے۔ لیکن اس آلہ کی اصل حقیقت اور اس کے اصول ایجاد پر نظر کرنے کے بعد یہ خیال بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ دورِ حاضر کے انسائیکلوپیڈیا اور دائرۃ المعارف سے معلوم ہوتا ہے کہ

اس آلہ کی بنیاد ایک خاص قسم کی نلکی پر قائم کی گئی ہے جس کے وسط میں ایک دھات کا پردہ اور پس پردہ ایک قطعہ توتیار کھا جاتا ہے اور اس کے مقابل ایک پن لگائی جاتی ہے۔ جب آواز کی متحرک اور متکیف ہوا نلکی کے راستہ سے اس پردہ پر پہنچتی ہے تو اس کو اسی قدر دباتی اور کھولتی ہے جس قدر ہر حرف کے لیے مناسب ہے یعنی جس طرح انسانی مخارج الفاظ کی بست وکشاد سے حروف اور کلمات پیدا ہوتے ہیں مثلاً "میم" کے ادا کرنے کے لیے دونوں ہونٹھ بالکل بند کرنے پڑتے ہیں اور "واؤ" کے لیے کچھ بند کرنے ہوتے ہیں اسی طرح یہ آواز کی ہُوا بعض دوسرے آلات کی امداد سے اس پردہ کو ٹھیک اسی قدر دباتی ہے جس سے حرف کا صحیح مخرج پیدا ہو جائے۔ اور اس پردہ کے دبنے سے وہ پن جو اس کے ساتھ رکھی گئی ہے قطعہ توتیا پر اسی قدر دبتی ہے اور اس میں تمام کلمات کی صورتیں منقوش ومطبوع ہو جاتی ہیں پھر اس طبع شدہ قطعہ توتیا کے ذریعہ اسی نلکی اور پردہ وغیرہ کی امداد سے دوبارہ ویسی ہی آواز جب چاہیں پیدا کی جاسکتی ہے یہ موقع اس ایجاد کی مفصل کیفیت اور اس کے آلات ترکیب کو باستیعاب بیان کرنے کا نہیں اور نہ ہماری غرض اس سے متعلق ہے۔ ہمیں صرف یہ دکھلانا تھا کہ فونوگراف کی آواز صدائے بازگشت کی طرح نہیں بلکہ جس طرح انسانی زبان اور منھ کی حرکت سے ہُوا میں اہتزاز وتموج پیدا ہو کر کلمات بنتے اور مسموع ہوتے ہیں۔ اسی نظریہ پر فونوگراف کی بنیاد ہے۔ اس میں بھی حروف وکلمات کو اسی ترکیب سے پیدا کیا جاتا ہے۔ اور اسی لیے اس آلہ کا نام بھی **فونوغراف الناطق** رکھا جاتا ہے

تمہیدی امور میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری چیز اس کی تحقیق کرنا ہے کہ :-

فونوگراف آلات طرب و مزامیر میں سے ہے یا نہیں

یہ بحث کسی قدر غور طلب ہے۔ اس لیئے کہ اس میں دو پہلو ہیں اور دونوں کے لیئے کچھ کچھ قرائن و شواہد موجود ہیں اور مسئلہ کی بعض جزئیات کا فیصلہ اسی تحقیق پر موقوف ہے کیونکہ اگر اس کو آلات معازف و مزامیر میں داخل سمجھا جائے تو آواز مباح کا سننا سنانا بھی اس کے ذریعہ سے مطلقاً ناجائز ہو جاتا ہے۔ جیسے دوتارہ، ستارا اور ہارمونیم پر کسی مباح نظم یا نعتیہ اشعار کا گانا بھی اسی طرح ناجائز ہے جیسے عام غزلوں اور فحش کلام کا۔

اور اگر یہ ثابت ہو کہ یہ آلہ اپنی اصل سے محض آلہ حاکیہ صوت ہے جیسے ٹیلیفون وغیرہ اور لہو ولعب اور گانے بجانے میں اس کا استعمال اتفاقی طور پر ہو گیا تو مسئلہ کے حکم میں یہ تفصیل کرنی پڑے گی کہ اس کی جس پلیٹ میں کوئی ناجائز مثل عورتوں کے گانے یا معازف و مزامیر اور طبل و سارنگی وغیرہ کی آوازیں ہوں تو وہ اپنی اصل کی طرح ناجائز و حرام ہیں۔ اور جس پلیٹ میں کوئی مباح آواز ہو اس کو اگر بقصد لہو ولعب سنتا ہے تو مکروہ ہے اور اگر کسی غرض صحیح سے سنتا ہے اور لہو ولعب مقصود نہیں تو جائز بلا کراہت ہے۔

بہر حال آواز مباح کو اس آلہ کے ذریعے سے سننے کا جواز یا عدم جواز اس تحقیق پر موقوف ہے کہ یہ آلہ منجملہ آلات معازف و مزامیر دوتارہ، ستارہ اور طبل و سارنگی وغیرہ کے ہے۔ یا اصل سے محض حکایت صوت کے لیئے ایجاد ہوا ہے۔ اور پھر اتفاقی طور پر شوقین مزاجوں نے اس سے طرب اور لہو ولعب کا کام لے لیا۔ چونکہ اس بحث میں دونوں پہلوؤں کے کچھ کچھ قرائن موجود ہیں اس لیئے جانبین کے قرائن پیش کرنے کے بعد جانب راجح کے متعلق کچھ عرض کیا

جائے گا۔

آلاتِ طرب و مزامیر میں سے ہونیکی وجوہ

(۱) عام طور پر اس کا استعمال محض لہو ولعب اور گانے بجانے میں اسی طرح کیا جاتا جیسے دوسرے آلات معازف و مزامیر کا۔ اور ارباب سماع جو حظ دوسرے مزامیر سے حاصل کرتے ہیں بعینہٖ وہی حظ اس سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لیئے یہ آلہ بھی مزامیر میں داخل ہونا چاہیئے

(۲) اور اگر عام مزامیر اور گراموفون میں فرق کیا جائے کہ اس میں دوسری آوازوں کی نقل کی جاتی ہے خود اس کی آواز مقصود نہیں ہوتی بخلاف جملہ مزامیر کے کہ وہ خود مقصود ہوتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے آلاتِ طرب میں بھی آوازوں کی نقل اتاری جاتی ہے اور اسی وجہ سے ہندی مثل مشہور ہے (زنانت باجی راگ پایا) یعنی دوتار کی تانت بجتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ کیا گیت گانا ہے۔ بالخصوص ہارمونیم میں تو آواز کی صاف نقل ہوتی ہے گو بالکل فونوگراف کی طرح صاف نہ ہو۔ الغرض جملہ مزامیر اور فونوگراف میں اس کے سوا کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا کہ مزامیر میں نئی آواز پیدا کی جاتی ہے اور فونوگراف میں کسی پہلی آواز کی نقل ہوتی ہے اور یہ بعینہٖ ایسا فرق ہے جیسے قدیم طرز کی مصوری اور فوٹوگراف میں ہے۔ کیونکہ قدیم طرز کے مصور اپنی طرف سے حسبِ دلخواہ ایک صورت بناتے ہیں اور فوٹوگراف ایک محکی عنہ (واقع) کا تابع ہوتا ہے اور اس کے عکس کو جو غیر قائم تھا مسالہ کے ذریعہ سے قائم بنا دیتا ہے لیکن اس فرق کی وجہ سے جواز و عدم جواز میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ بلکہ فوٹو کی تصویر کو بھی عام تصویروں کی طرح شرعاً ناجائز قرار دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جب تک عکس

تھا جیسے آئینہ اور پانی میں ہوتا ہے اس وقت تک جائز تھا۔ اور جب مسالہ کے ذریعے سے اس کو پائیدار بنایا گیا تو یہی تصویر ہے اور اس طرح پائیدار بنانا تصویر کشی ہے۔

اسی طرح یہاں ایک جائز کلام جب تک اپنی اصلی صورت میں تھا جائز تھا۔ اور جب اسی کلام کا عکس اس آلہ طرب میں اتار گیا تو یہی ایک تغنی و تلعب ہے اور ناجائز ہے۔ غرض آواز کا جدید ہونے یا کسی آواز کی بعینہ نقل ہونے سے آلہ طرب کے جواز و عدم جواز میں کوئی فرق نہیں آتا۔

(۳) عام طور پر گراموفون کو بھی باجہ کہا جاتا ہے جیسے ہارمونیم وغیرہ کو یہ عرف عام بھی اسی کی دلیل ہے کہ یہ آلہ منجملہ آلات طرب و مزامیر ہے۔ یہ وجوہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گراموفون مزامیر میں داخل ہے۔

فونوگراف کے دراصل محض آلہ حاکیہ ہونیکے وجوہ

(۱) اسی تحریر کی ابتدا میں آپ معلوم کر چکے ہیں کہ اس آلہ کا پہلا موجد افلاطون ہے اور نہ وہ لہو ولعب کا شوقین تھا اور نہ اس غرض کے لیئے اس نے ایجاد کیا اور نہ اُس زمانہ کے لوگوں نے اسے اس لغو مشغلہ میں استعمال کیا، بلکہ اس سے بڑے بڑے اہم کام لیئے جس سے ثابت ہوا کہ یہ آلہ دراصل مزامیر میں سے نہیں اور اس کی اصل وضع لہو ولعب اور گانے بجانے کے لیئے نہیں ہوئی۔

(۲) اس آلہ کا دوبارہ جنم (جیسا کہ آپ معلوم کر چکے ہیں) امریکہ کے مشہور فاضل اڈیسون کے ہاتھوں ہوا جہاں تک تحقیق سے معلوم ہوا اس جدید ایجاد کا اصلی مقصد بھی محض لہو ولعب نہ تھا۔ بلکہ ایک کام کی چیز ایجاد کرنا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اڈیسون کی قسمت میں وہ خوش نصیب لوگ نہ تھے۔ جو اس کو

اچھے مصرف میں استعمال کرتے اور افلاطون کی طرح اس کے لیے ایک بہترین یادگار بنا دیتے۔

(۳) جو چیز اصل سے جائز ہو اور کسی مفسدہ پر مبنی نہ ہو۔ اگر لوگ عام طور پر اسے لہو ولعب اور ناجائز کاموں میں استعمال کرنے لگیں تو اس سے اس کو معازف و مزامیر میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھیے اگر کسی وقت ٹیلیفون کے ذریعہ عام لوگ گانا مع مزامیر سننے سنانے لگیں تو ٹیلیفون کو مزامیر میں داخل نہ سمجھا جائے گا۔ اور آج بھی بہت آدمی گھڑا بجا کر اس پر گاتے ہیں مگر اس کی وجہ سے گھڑے کو کسی نے مزامیر میں شمار نہیں کیا۔ اسی طرح بعض آدمی محض تالیاں بجا کر گاتے ہیں مگر اس کی وجہ سے انسان کے ہاتھوں کو مزامیر نہیں کہا جا سکتا اور یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات میں تالی بجانے کی شرعاً اجازت ہی نہیں بلکہ امر تک فرمایا گیا ہے۔

نماز کے سامنے سے اگر کوئی شخص گزرتا ہو تو متنبہ کرنے کے لیے مرد کو سبحان اللہ کہنا اور عورت کو ہاتھ پر ہاتھ مارنا مستحب ہے۔

حاصل یہ ہے کہ کسی چیز کو اتفاقی طور پر لہو ولعب یا گانے بجانے میں استعمال کر لینے سے اُس کا مزامیر میں داخل ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لیے گراموفون کو بھی اگر عام لوگ طرب و تغنی میں استعمال کریں تو وہ اس سے مزامیر میں شمار نہ ہوگا (جبکہ اس کی اصل۔ ضع اس کے لیے نہیں)۔

(۴) فونوگراف اور دوسرے مزامیر کا فرق اس پر مبنی نہیں کہ اس میں حکایت صوت ہے اور دوسرے مزامیر میں صوت جدید پیدا کی جاتی ہے بلکہ یہ فرق وجوہ ماسبق پر مبنی ہے جن کی مزید تحقیق عنقریب پیش کی جائے گی کیونکہ صوت جدید ہونے یا کسی آواز کی نقل اتارنے کو مزامیر ہونے یا نہ ہونے میں کوئی دخل نہیں۔ اور

فونوگراف کو فوٹو گراف پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ آواز کی نقل اتارنا شرعاً ممنوع نہیں اور صورت جاندار کی نقل اتارنا شرعاً ناجائز ہے

(۵) اول تو عرف میں باجہ نام رکھدینا کسی چیز کی حقیقت کو نہیں بدلتا۔ دوسرے اس کے عرف عام ہونے میں بھی کلام ہے۔ تیسرے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عام طور پر لہو ولعب میں استعمال کرنے کی وجہ سے لوگوں نے اس کا نام باجہ رکھدیا۔

دونوں جانب کے یہ وجوہ ہیں جن کی وجہ سے بحث کا فیصلہ غور طلب ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت حکیم الامت مجدد الملۃ سیدی سندی حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم نے مسئلہ زیر بحث کا جو فیصلہ احقر کے ایک عریضہ کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے وہی احق بالقبول ہے جس کو بغرض تحصیل برکت حضرت کی اصل عبارت میں نقل کیا جاتا ہے وہی ھذہ:-

"اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ (یعنی اس آلہ کا مزامیر میں سے ہونا) غیر مسلم ہے اس لیئے کہ ملاہی (مزامیر) محرم وہ ہیں جہاں خود ان ملاہی کی صوت (آواز) بخصوصہ مقصود ہو گو ان میں کوئی خاص لہجہ بھی منضم کر لیا جاوے جیسا ہارمونیم میں ایسا انضمام ہو جاتا ہے اور گراموفون میں خود اس آلہ کی صوت بخصوصہ مقصود نہیں۔ بلکہ مقصود اصل صوت محکی عنہ ہے جس کا اس آلہ کے ذریعہ سے محفوظ کر کے اعادہ کیا جاتا ہے۔

اور دلیل اس کی یہ ہے کہ گراموفون میں جو صوت (آواز) بند کر کے پیدا کی جاتی ہے اگر اصل محکی عنہ (یعنی جس کی آواز ہے) پر قدرت ہو جاوے تو پھر اس آلہ کی طرف اس وقت التفات بھی نہ کیا جاوے بخلاف ہارمونیم وغیرہ کے کہ ایسے وقت بھی اس سے قطع نظر نہیں کی جاتی۔

اور اس کا راز یہ ہے کہ گراموفون کی خصوصیت نے اس صوت (آواز)

میں حظ دلذت) نہیں بڑھایا لہذا اصل کے ہوتے ہوئے اس کا قصد نہیں کیا جاتا۔ اور ہارمونیم کی خصوصیت کو حظ خاص میں دخل ہے جو سادہ استماع میں مفقود ہے۔ اس لیئے اصل کے ہوتے ہوئے بھی اس کا قصد کیا جاتا ہے۔ اس سے صاف ثابت ہوگیا کہ یہ ان ملاہی میں سے نہیں جن کی صوت بخصوصہا مقصود ہوتی ہے اور حرمت ایسے ہی ملاہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ کما ذکر۔"

حاصل یہ ہے کہ مزامیر اور آلاتِ طرب میں خود ان آلات کی آوازیں بھی مقصود ہوتی ہیں۔ اگرچہ ان کے ذریعہ سے کسی خاص کلام کی بھی نقل اتار لی جائے۔ اور گراموفون کی آواز خود مقصود نہیں ہوتی بلکہ اصل ہی کا استماع مقصود ہوتا ہے۔ اس لیئے اس آلہ کو ملاہی محرمہ اور مزامیر میں داخل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

گراموفون کے شرعی احکام

فقہی طور پر اس آلہ کے متعلق سوالاتِ ذیل پیش آتے ہیں جن کا جواب نمبروار عرض کیا جائے گا۔

(۱) گراموفون میں عام راگ و مزامیر اور عورتوں کا گانا وغیرہ سُننا شرعاً کیسا ہے؟۔

(۲) کوئی مباح نظم یا نثر اس آلہ کے ذریعہ تفریحاً سننا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

(۳) کسی ضروری اور مفید کلام کو اس آلہ کے ذریعہ سے ضبط کر لینا اور پھر سنانا جائز ہے یا نہیں؟۔

(۴) گراموفون میں قرآن مجید سننا اور سُنانا جائز ہے یا نہیں؟۔

(۵) اس میں جو قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اس کے وہی احکام ہیں جو عام
[تلا]وت قرآن کے ہیں یا کچھ اور؟ ۔

(۶) اس میں اگر کوئی آیت سجدہ تلاوت کر دی جائے تو سننے والوں
[پ]ر سجدہ لازم ہوگا یا نہیں؟ ۔

(۷) اس کے جس پلیٹ (ریکارڈ) میں قرآن مجید کی کوئی سورت محفوظ
[ہ]و اس کو بلا وضو چھونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) جس آواز کا سننا اصل سے حرام ہے اُس کا گراموفون میں سننا بھی قطعاً
[ب]لا اختلاف حرام ہے مثلاً عورتوں کا گانا اگرچہ بلا مزامیر ہو۔ اور مردوں کا گانا مع
[م]زامیر۔ اور ناچ رنگ وغیرہ کی نقل۔ اسی طرح کسی مسلمان کی غیبت یا اس پر بہتان یا
[ک]وئی جھوٹی بات جس طرح اصل سے سننا سُنانا حرام ہیں اسی طرح اس آلہ میں بھی
[ا]تفاقاً و اجماعاً حرام ہیں۔ کما لا یخفی۔

(۲) جو کلام اصل سے مباح (جائز) ہے کہ اس کی اس آلہ میں نقل اُتارنا
[ا]ور اس کا سننا سنانا بھی فی نفسہ (خارجی عوارض سے قطع نظر کرتے ہوئے) مباح
ہے۔ کیونکہ آپ تمہیدی مقدمات میں مفصّل معلوم کر چکے ہیں کہ گراموفون اپنی ذات
سے آلات طرب و مزامیر اور ملاہی محرمہ میں داخل نہیں اس لیئے کوئی مباح کلام
محض اس آلہ کی وجہ سے بغیر کسی عارضی کراہت یا ممانعت کے ناجائز نہ ہوگا۔ البتہ
جب کہ بلا ضرورت محض تفریحاً سُنا جاتا ہے تو یہ ایک قسم کا لہو و لعب ہے جو اگرچہ
لہو حرام نہ سہی مگر اسلام نے اس قسم کے لہو سے اجتناب کی تعلیم دی ہے جو
انسان کے لیئے مفید نہ ہو۔ حدیث میں ہے:۔

من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔ — انسان کے پکّے مسلمان ہونے کی علامت یہ ہے کہ بے فائدہ کاموں سے باز رہے۔

الغرض جائز کلام کا اس آلہ میں سننے سنانے کا اصلی حکم (خارجی عوارض سے قطع نظر کرتے ہوئے) یہ ہے کہ جائز ہے۔ مگر خلاف اولیٰ ہے۔

لیکن چونکہ آجکل عموماً اس الہ کا استعمال ناجائز اور حرام لہو ولعب اور گانے بجانے میں ہونے لگا ہے اور یہ جائز صورت بھی ناجائز کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے جائز اور ناجائز اور حلال وحرام کو التباس میں ڈال کر بہت سے مفاسد کو مستلزم ہو جائے گی۔ جیساکہ حالاتِ عامہ کا تجربہ اس پر شاہد ہے۔

اس لیئے سدّ ذرائع کے طور پر یہ صورت بھی ناجائز قرار دی جائے گی جیساکہ فقہاء نے شربت کے برتنوں کو دسترخوان پر شراب کے برتنوں کی طرح رکھنا محض اسی صوری مشابہت کی وجہ سے (سدّ ذرائع کے طور پر ممنوع قرار دیا ہے لیکن یہ ممانعت چونکہ عارضی ہے اس لیئے اگر کسی وقت یا کسی خاص جگہ میں یہ عارضی وجہ ممانعت موجود نہ ہو۔ مثلاً کسی زمانہ میں اس کا عام استعمال لہو ولعب میں نہ رہے یا کسی ملک یا کسی خاص شہر میں ایسا ہو جائے تو وہاں اپنے اصلی حکم پر جائز سمجھا جائیگا

(۳) کوئی ضروری اور مفید کلام جو شرعاً ناجائز نہ ہو اور اُس کا بعینہ لب ولہجہ کے ساتھ نقل کرنا مقصود ہو۔ اس آلہ کے ذریعہ سے اس کا محفوظ کر لینا اور پھر اعادہ کرنا جائز ہے۔ جیسے افلاطون کے زمانہ کے حالات میں آپ بذیلِ تمہید معلوم کر چکے ہیں کہ اس زمانہ کے حکام تمام عدالتی کارروائی کی مسلوں کے بجائے اس آلہ سے کام لے کر ہر قسم کی تحریف وجعلسازی کے خطرات سے مامون ہو جاتے تھے۔ اور اس میں ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ بہت سے کلام وہ ہیں جو محض لب ولہجہ کے ذرا سے تغیر

ے بالکل الٹ جاتے ہیں۔ اس آلہ کے ذریعے سے چونکہ لب ولہجہ بھی محفوظ ہوجاتا
ہے اس لیئے اس میں اس کی بھی گنجائش نہیں رہتی کہ کوئی شخص اسی طرح اپنی بات کو
س دے۔ مثلاً ایک ہی لفظ ہے "کیا بات ہے" یہ لفظ جب بلا ضغطۂ زبان
یا جائے تو استفہام و استفسار کا ایک جملہ ہے۔ اور جب اسی لفظ کو ذرا ضغطہ
رتفخیم کے ساتھ بولیں تو یہی ایک چیز کی بڑائی اور عظمتِ شان کا بیان ہوجائے گا۔
رف میں کہا جاتا ہے۔ سبحان اللہ کیا بات ہے۔ اور اسی لفظ کو جب کسی قدر ضغطہ
بان کے ساتھ بلا تفخیم تعظیم بولا جائے تو یہی جملہ تحقیر اور توہین کا جملہ ہوجاتا ہے۔
ہتے ہیں کہ "یہ بات کیا ہے" دیکھیئے یہ ایک ہی کلام ہے جو تعظیم کے لیئے بھی ہوسکتا
ہے اور توہین کے لیئے بھی۔ اور استفہام بھی بن سکتا ہے اور اس کا امتیاز محض لہجہ
ام پر موقوف ہے جس کو کاغذات میں نقل کرنا دشوار ہے۔ اس قسم کے تغیرات
ے بھی وہ تقریر مامون ہوسکتی ہے جو اس آلہ میں محفوظ ہو۔

الغرض اگر کوئی ضروری اور مفید مضمون اس آلہ کے پلیٹ میں محفوظ ہو جو بغیر
س آلہ کے ہمیں دستیاب نہیں ہوسکتا۔ اس قسم کے مضامین کو سننا جائز ہے۔ مگر
اسب یہ ہے کہ مجمع عام میں مجلس آرائی کے ساتھ اس طرح نہ سنے جس طرح عام
ل تغنی و تلہی سنتے ہیں بلکہ خلوت میں سنے تاکہ ان کی مشابہت لازم نہ آئے۔

(۴) قرآن مجید کو گراموفون میں بھرنا اور سننا سنانا سب ناجائز ہے۔

اول تو اس لیئے کہ عام مباح کلام کو بھی بلا ضرورت اس میں سننا جائز نہیں
جیسا کہ جواب نمبر ۲ کے تحت میں مفصل گذر چکا ہے تو قرآن مجید کو اس میں سننا
درجۂ اولیٰ ناجائز ہوگا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کو گراموفون میں سننے کی کوئی
ضرورت نہیں اس لیئے وہ صورت مذکورہ نمبر ۳ کے تحت میں ہرگز داخل نہیں ہوسکتا
دوسرے اس لیئے کہ اگرچہ گراموفون مزامیر اور ملاہی محرمہ میں داخل نہیں۔

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ بے ضرورت کوئی کلام اس میں بھرنا اور سننا ایک قسم کا لہو و لعب ہے۔ اور اگر لہو و لعب مقصود نہ ہو تب بھی تشبّہ ہے لہو و لعب کے ساتھ اور لہو و لعب اگر دوسرے مباح کلام میں کسی وقت جائز بھی سمجھا جائے تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ کسی وقت اور کسی حال میں جائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تلاوت قرآن مجید عبادت ہے اور عبادت کو ذریعۂ لہو و لعب بنانا سخت حرام ہے۔

نیز یہ ایک قسم کی توہین ہے کلام الٰہی کی کہ لہو و لعب کے موقع پر لہو و لعب کی صورت سے اس کی تلاوت کی جائے۔ یہ تو قرآن مجید اور کلام الٰہی ہے۔ فقہاء نے تو مطلقاً سبحان اللہ یا الحمد للہ وغیرہ الفاظ کو بھی ایسے موقع پر کہنے کو ناجائز لکھا ہے جہاں مقصود تسبیح و تحمید نہ ہو بلکہ کوئی دوسرا کام مقصود ہو جیسے سوداگر کسی چیز کو فروخت کرنے کے وقت خریدار سے کہتے ہیں سبحان اللہ کیا اچھی چیز ہے چونکہ یہ سبحان اللہ محض اپنی چیز کی رونق بڑھانے کے لیئے بے محل بولا گیا ہے اس لیئے ناجائز ہے۔ اسی طرح بچّوں کو سلانے کے وقت جو اکثر عورتیں اللہ اللہ کرتی ہیں فقہاء نے اس کو اسی لیئے ناجائز فرمایا ہے کہ یہ ذکر اللہ بے محل ہے۔ ان جزئیات پر نظر کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر بالفرض یہ لہو و لعب بھی نہ ہو تب بھی قرآن مجید کا اس آلہ میں سننا جائز نہ ہوگا کیونکہ بے محل و بے موقع ہے۔ اور اگر ذرا انصاف سے حالات کا معائنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آجکل عموماً قرآن مجید کا ریکارڈ بھی محض تفریح طبع کے لیئے ایسا ہی رکھا جاتا ہے جیسے مختلف قسم کے گیت اور مختلف گانے والی فواحش کی آوازیں رکھی جاتی ہیں کس قدر غیرت کا مقام ہے کہ قرآن مجید کی پلیٹ بھی رنڈیوں کے گانے کے ساتھ ہم پلّہ کرکے رکھی جائے۔ اور جہاں ابھی ابھی گوہر جان اور ننھی جان کی مجلس رقص و سرود گرم تھی وہیں اب ذائقہ بدلنے کے لیئے قاری صاحب کی

اعوذ باللہ شروع کردی جائے. گراموفون کے مسئلہ سے علیحدہ ہو کر اگر اصل واقعہ میں بھی ایسا کیا جاتا کہ مجلس رقص وسرود میں مختلف رنڈیوں اور قوالوں کے ذیل میں قاری صاحب کو بھی موقع دے کر نوازا جاتا تو کسی مسلمان کی غیرت وحمیت تقاضا کرتی کہ وہ اس طرح قرآن مجید سنے اور سنائے اور کیا یہ قرآن مجید کی صاف توہین نہ تھی (نعوذ باللہ منہ)

تعجب ہے کہ علامہ شیخ محمد نجیب مصری ازہری کو یہ کھلی ہوئی قباحت اور قرآن مجید کو ذریعہ لہو ولعب بنانا سمجھ میں نہیں آتا اور محض اتنی بات سے کہ یہ آلہ اصل سے مزامیر میں داخل نہیں۔ قرآن مجید تک اس میں پڑھنے کو جائز کر دیتے ہیں اور اس پر نظر نہیں فرماتے کہ اول تو آجکل گراموفون کو استعمال کرنے والے ننانوے فی صدی وہی لوگ ہیں جو اس سے محض مزامیر اور رقص وسرود کا کام لیتے ہیں۔ اور اگر بالفرض کوئی خدا کا بندہ ایسا نہ ہو اور اس کا قصد محض قرآن مجید ہی سننا ہو تو اوّل تو ظاہر حال اس کی تکذیب کرتا ہے کیونکہ اگر قرآن ہی سننا مقصود تھا تو قرآن سنانے والے ہر جگہ ہر گاؤں اور ہر شہر میں خدا کے فضل سے بکثرت موجود ہیں ان سے کیوں نہ سن لیا جائے۔ رہا یہ کہ کسی خاص قاری کی آواز سننا مقصود ہو تو یہ شرعاً مطلوب نہیں۔

دوسرے اس سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو اس کے عمومی استعمال سے تشبّہ لہو ولعب کے ساتھ یقیناً پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے بھی قابل ممانعت ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے شربت یا چائے کے برتنوں کو دسترخوان پر شراب کے برتنوں کی طرح رکھنے کو ناجائز فرمایا ہے۔

لطیفہ

اور عجیب بات ہے کہ اس آلہ کے موجد عیسائیوں نے بھی شاید اس کا

احساس کیا کہ کلامِ الٰہی کو اس کے ذریعے سے سننا سنانا ایک قسم کا لہو ولعب ہے اسی لیئے آجتک نہیں سُنا گیا کہ کسی عیسائی نے انجیل کی کوئی سورت یا کسی یہودی نے تورات کی کچھ آیتیں اس میں بند کی ہوں، یہ ہمارے آزاد خیال... مسلمانوں ہی کا طرۂ امتیاز ہے کہ انھیں اس کی پروا نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا فونوگراف میں سُننا سُنانا چند گناہوں پر مشتمل ہے۔ اوّل تو مطلقاً لہو ولعب۔ دوسرے قرآن مجید کو ذریعہ لہو بنانا جو سخت ترین حرام ہے۔ تیسرے لہو ولعب کی مجلسوں میں فواحش کے گانے بجانے کے ذیل میں تفریح طبع کے لیئے اس کا تلاوت کرنا بغیر گراموفون کے بھی ناجائز ہے اور گراموفون میں بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔

(۵) تمہیدی مقدمات میں آپ معلوم کر چکے ہیں کہ یہ آلہ بھی کلمات و حروف کو اسی طرح قطع کرتا ہے جس طرح انسانی زبان۔ اس لیئے گراموفون میں جو آواز سنائی دیتی ہے وہ قرآن ہی کے احکام رکھتی ہے۔ مثلاً اس آواز کو بُرا کہنا یا اس کا استہزاء کرنا یا اس کے قرآن ہونے سے انکار کرنا وغیرہ اسی طرح جائز نہیں جس طرح خارج میں تلاوت قرآن کے ساتھ جائز نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ قرآن مجید کو اس میں بند کرنا اور پھر اس طرح سننا سُنانا گناہ ہے اور یہ بالکل ایسا ہے جیسے کوئی (جنبی) غسل کی حاجت والا آدمی قرآن مجید پڑھنے لگے یا کوئی شخص معاذ اللہ بیت الخلاء میں قرآن مجید پڑھنے لگے تو اس شخص کا یہ فعل تو سخت گناہ اور حرام ہے مگر جو آواز اس کی زبان سے نکل رہی ہے اس کے قرآن ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۶) گراموفون میں اگر کوئی آیت سجدہ پڑھی جائے تو اس سے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ فقہاء رحمہم اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ سامع پر وجوب سجدہ کے

لیئے یہ شرط ہے کہ پڑھنے والے میں خود بھی وجوب سجدہ کی اہلیت و صلاحیت ہو گو بالفعل اس کے ذمہ واجب ہو یا نہ ہو۔ اسی وجہ سے سونے والے آدمی یا مجنون مطلق کی زبان سے اگر آیتِ سجدہ نکل جائے یا کسی جانور طوطے وغیرہ کو آیتِ سجدہ سکھادی جائے تو ان سب صورتوں میں اُس کے سننے والے پر سجدہ واجب نہیں ہوتا کیونکہ ان میں اہلیت وجوب سجدہ کی نہیں ہے بخلاف حیض و نفاس والی عورت کے کہ اگر وہ آیت سجدہ پڑھ دیں تو گو اس وقت ان کے ذمہ سجدہ واجب نہ ہوگا مگر اُن میں اہلیت وجوب موجود ہونے کی وجہ سے سُننے والوں پر سجدہ واجب ہو جائے گا۔ جیسا کہ شامی و در مختار کی عباراتِ ذیل سے ثابت ہوتا ہے۔ ذکر شیخ الاسلام انہ لایجب بالسماع من مجنون او نائم او طیر لان السبب سماع تلاوۃ صحیحۃ و صحتہا بالتمییز ولم یوجد الخ (شامی استنبولی ص۲۰ ج۱)

اور در مختار میں تصریح ہے کہ آواز بازگشت سے یا کسی جانور سے اگر آیت سجدہ کسی نے سُن لی تو اُس پر سجدہ واجب نہیں کیونکہ جس کی آواز سنی ہے وہ خود وجوبِ سجدہ کی اہلیت نہیں رکھتا۔ در مختار میں ہے۔

لاتجب بسماعہ من الصدی والطیر (در مختار)	سجدہ تلاوت آواز بازگشت سے نیز کسی جانور سے سننے سے واجب نہیں ہوتا۔

اب ظاہر ہے کہ گراموفون بھی وجوبِ سجدہ کی اہلیت نہیں رکھتا اس لیئے اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اُس کے ذریعہ اگر آیت سجدہ سن لی تو سجدہ واجب نہ ہوگا۔

(۷) گراموفون کے جس ریکارڈ (پلیٹ) میں قرآن مجید کی کوئی آیت

محفوظ ہو اس کو بلا وضو چھونا جائز ہے۔ کیونکہ وہ قرآن مجید کے حکم میں نہیں۔ اور نہ آیات و کلمات اس میں اس طرح لکھے ہوئے ہیں جس طرح عام طور پر لکھا جاتا ہے اور اس کے اندر قطعہ تو تیار جو کچھ حروف کے مخارج کندہ ہوتے ہیں ان کی وجہ سے ریکارڈ کو قرآن کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المتاب فی کل باب والحمد للہ اولہ واخرہ وظاہرہ وباطنہ وبعزتہ وجلالہ تتم الصالحات

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

مدرس دار العلوم دیوبند۔ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

تصدیقات اکابر علماء

تصویب از سیدی حضرت حکیم الامۃ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رح دامت برکاتہم

بعد الحمد والصلوٰۃ میں مولف رسالہ ہذا کا ممنون ہوں کہ انھوں نے یہ رسالہ مجھ کو اظہار رائے کی غرض سے دیا مگر دیکھنے سے خود مجھ کو بعض فوائد زائدہ حاصل ہوئے۔ یہ تو اظہار شکر ہے اب اظہار رائے کرتا ہوں کہ ماشاء اللہ اس مبحث میں کافی شافی ہے اور تحقیقات میں وافی اور شبہات کے لئے نافی ہے۔ حسب استدعاء مولف سلمہ اس کو رفع الخلاف عن حکم فونوغراف سے ملقب کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کو مقبول و نافع فرماوے اور مولف سلمہ کو اس کے امثال کے لئے موفق فرماوے

کتبہ اشرف علی مقیم تھانہ بھون

۲۱ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

اقول وباللہ التوفیق ھذا التحقیق تحقیق بالقبول واقرب الصواب فی ھذا الباب۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ کتبہ الاحقر عزیز الرحمٰن عفی عنہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

حمد و الصلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ مولانا محمد شفیع صاحب کے رسالہ جدید کا مطالعہ موجب تنشیط خاطر و تطریب قلب ہوا۔ تحقیقات عجیبہ اور قواعد شرعیہ کی تحریر کے بعد اشارۂ اکابر کو مشعل راہ بنا کر فیصلہ صحیحہ فرمایا ہے۔ دعا ہے کہ مولف ممدوح کی دیگر مؤلفات کی طرح اس کو بھی قبولِ عام منجانب اللہ عطا ہو

(کتبہ الفقیر اصغر حسین عفا اللہ عنہ)

کشف السجاف

عن

وجہ فوتوغراف

فوٹو کے متعلق شرعی احکام

صحیح حدیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت میں کچھ لوگ شراب کا نام بدل کر اس کو پیئیں گے اور برسرِ مجلس راگ باجے اور گانے بجانے کا مشغلہ کریں گے حق تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دیں گے

اور اُن میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیں گے۔

• سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مضمون شراب کے متعلق ارشاد فرمایا ہے آج اُمت نے اس کو صرف شراب ہی نہیں بلکہ اکثر دوسرے محرمات میں بھی استعمال کر رکھا ہے۔ شریعت میں جس نام سے کسی چیز کو حرام کیا گیا ہے اس پر نئی معاشرت کا رنگ و روغن چڑھا کر اور نام بدل کر بے خطر اُس کا استعمال کیا جاتا ہے اور اپنے نزدیک سمجھتے ہیں کہ اس حیلہ سے وہ خدائی گرفت سے بچ گئے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ؎

کارہا باخلق آری جملہ راست ؛ باخدا تزویر و حیلہ کے رواست

اگر ان کو چشمِ بصیرت نصیب ہو تو وہ مشاہدہ کرلیں کہ درحقیقت اس حیلہ نے اُن کو ایک گناہ کے بجائے دو گناہوں کا مجرم بنادیا۔ ایک تو خود گناہ کا ارتکاب اور دوسرا اُس پر کسی قسم کی ندامت کا نہ ہونا اور تلافی و تدارک سے غافل رہنا۔

شراب کا نام الکحل یا اسپرٹ رکھ کر جائز کرلیا گیا تو تصویر کشی کا لقب فوٹو گرافی رکھ کر حلال کرلیا گیا۔ پُرانے مزامیر و معازف کو چھوڑ کر اُس کی جگہ گراموفون نے لے لی۔ اور اس نام کی بدولت وہ بھی حرمت سے نکل گیا۔

سُود کا نام منافع اور رشوت کا لقب حق الخدمت کرکے علانیہ اُس کا لین دین جاری ہوگیا۔ والی اللہ المشتکی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اس وقت ہمارے زیرِ بحث "فوٹو اور فوٹو گرافی" کا مسئلہ ہے یہ بھی اُسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ کہ شریعت نے تصویر کشی کو حرام قطعی اور اُس کے استعمال کو ناجائز قرار دیا تھا۔ دورِ حاضر کے روشن خیال مسلمانوں نے اُس پر ایک نیا روغن چڑھایا پُرانے طرز کی تصاویر کو چھوڑ کر اُس کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا اور نیا نام رکھ لیا اور حرمت و ممانعت کے فتووں سے بے خطر ہوکر بیٹھ

گئے۔ اس بارہ میں اُن لوگوں کا زیادہ شکوہ نہ تھا جنھوں نے صرف جدید تعلیم میں آنکھ کھولی اور جدید نصاب ہی میں علمی پرورش پائی۔ بقول اکبر مرحوم ؎

انھوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں
پلے کالج کے چکر میں، مرے صاحب کے دفتر میں

افسوس اور شکایت اُن بعض حضرات سے ہے جو کتاب وسنت سے بھی محض ناواقف نہیں بلکہ بعض اوقات اپنی ہمہ دانی کے خیال میں وہ ائمہ اجتہاد اور سلف صالح پر بھی حرف گیری کے لیئے آمادہ نظر آتے ہیں۔ تصویر کشی کا نام فوٹو گرافی رکھ کر انھوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا مع تصویر اور فوٹو میں فرق پر اُن کی قوتِ استدلال کا خاکہ یہ ہے۔

پہلی دلیل جس کو سب سے بڑی دلیل کہا گیا ہے فوٹو کے جواز پر یہ پیش کی گئی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ فوٹو عبادت کے کام میں نہیں آتے،، لیکن مجھے اول تو اسی میں کلام ہے کہ "فوٹو عبادت کے کام نہیں آتے" کیونکہ ہندوستان کے رہنے والے جانتے ہیں کہ آج بھی ہندوستان میں ایک فرقہ موجود ہے جو اپنے پیر کے فوٹو کو پوجتا ہے اس کے علاوہ تصویر کا مبادی شرک بت پرستی میں سے ہونا اسی پر موقوف نہیں کہ اُس کی اس وقت بھی عبادت ہوتی ہو۔ بلکہ وہ تصویر بھی مبادی شرک میں سے ہے جو اگرچہ اس وقت پوجی نہیں جاتی مگر آئندہ اُس کی پرستش کا احتمال قریب موجود ہو۔ ورنہ عیسیٰ اور مریم علیہما السلام اور دوسرے انبیائے علیہم السلام کی وہ تصویریں بھی جو شروع شروع میں محض ان کی یاد تازہ کرنے اور لینے لیئے ایک نمونہ باقی رکھنے کے لیئے بنائی گئی تھیں مبادی شرک میں سے نہ رہیں گی۔ کیونکہ اس وقت اُن کی عبادت کا خیال بھی نہ تھا مگر ایک زمانہ کے بعد وہی تصویریں ذریعہ بت پرستی بن گئیں۔ اور اگر تسلیم ہی کر لیا

جائے کہ "فوٹو عبادت کے کام میں نہیں آتے اور نہ آئندہ آسکتے ہیں،، تو زیادہ سے زیادہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ فوٹو کی تصویر مبادی شرک میں سے (جو حرمتِ تصویر کے اسباب میں سے ایک سبب ہے) نہیں۔ مگر جب کسی چیز کی حرمت چند اسباب پر مبنی ہے ہو تو ان میں سے کسی ایک سبب کا منعدم ہوجانا اُس چیز کو حلال نہیں کر دیتا۔ مثلاً ایک مجرم پر چند جرم عائد کیے گئے ہوں۔ چوری، ڈاکہ زنی، قتل عمد۔ توہین عدالت وغیرہ وغیرہ۔ اگر صفائی کے گواہ اُس کو قتلِ عمد سے بری ثابت کر دیں تو فقط اتنی بات سے وہ بالکل آزاد نہیں کر دیا جاتا۔ بلکہ دوسرے جرموں کی سزائیں اُس پر قائم کی جاتی ہیں۔ تصویر کا استعمال بھی جیسا کہ میرے رسالہ تصویر میں مفصل مذکور ہے بہت سے جرموں کو اپنے دامن میں لیئے ہوئے ہے۔ مبادی شرک میں سے ہونا۔ مشابہت کفار کا لازم آنا۔ ملائکہ رحمت کو آنے سے روک دینا وغیرہ

اب اگر فرض کر لیا جائے کہ فوٹو کی تصویر میں حرمت کا ایک "سبب مبادی شرک میں سے ہونا،، موجود نہیں تو اس سے کہاں لازم آیا کہ یہ تصویر بالکل حرمت سے آزاد ہوجائے کیا استعمال تصویر کے دوسرے اسباب جو فوٹو کی تصویر میں قطعاً موجود ہیں، مثلاً مشابہت کفار اور ملائکہ رحمت کا بغض اُس کی ممانعت کے لیئے پھر بھی کافی نہیں۔ ہاں اس تقریر پر زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ عذاب میں اتنی تخفیف ہوجائے کہ اُس کو وہ عذاب نہ دیا جائے جو عبادت کی تصاویر رکھنے والے کو دیا جائے گا۔

اور اس وقت کہا جاسکتا ہے کہ فوٹو گرافی کا وہی حکم ہونا چاہیئے جو تصویر کشی کا ہے۔ یعنی ذی روح کا فوٹو لینا مطلقاً حرام ہونا چاہیئے۔ اور غیر ذی روح میں سے اُن چیزوں کا جن کی عبادت کی جاتی ہے جیسا کہ رسالہ تصویر میں

مذکور ہے اسی طرح فوٹو کے استعمال کا وہی حکم ہوگا جو استعمالِ تصاویر کا ہے ۔ اور جس کو انشاء اللہ عنقریب تفصیل کے ساتھ عرض کیا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

دوسری دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ فوٹو گرافی درحقیقت عکاسی ہے جس طرح آئینہ، پانی اور دیگر شفاف چیزوں پر صورت کا عکس اتر آتا ہے اور اس کو کوئی گناہ نہیں سمجھتا۔ اسی طرح فوٹو کے شیشہ پر مقابل کا عکس اُتر آتا ہے اور فرق صرف یہ ہے کہ آئینہ وغیرہ کا عکس پائدار نہیں رہتا اور فوٹو کا عکس مسالہ لگا کر قائم کر لیا جاتا۔ ورنہ فوٹو گرافر اعضاء کی تخلیق و تکوین نہیں کرتا۔ اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات نے فوٹو کی تصویر کو آئینہ، پانی وغیرہ کے عکس پر قیاس کیا ہے یعنی جس طرح آئینہ کے عکس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں ایسے ہی فوٹو کی تصویر بھی ایک عکس ہے پھر اس کو کیوں حرام کیا جائے۔

لیکن اگر ذرا تامل سے کام لیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ یہ قیاس اصولِ قیاس کے قطعاً خلاف ہے اور ایک عالم کی شان اس سے بہت اعلیٰ ہونی چاہیئے کہ وہ ایسے ظاہر الفرق چیزوں میں فرق نہ کرے اور ایک پر دوسرے کا حکم نافذ کر دے۔ فوٹو کی تصویر اور آئینہ وغیرہ کے عکس میں چند نمایاں فرق ہیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

(۱) سب سے بڑا فرق تو یہی ہے جس کو خود یہ حضرات بھی تسلیم کرتے ہوئے ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

"فرق صرف یہ ہے کہ آئینہ وغیرہ کا عکس قائم اور پائدار نہیں رہتا اور فوٹو کا عکس مسالہ لگا کر قائم کر لیا جاتا ہے"

مگر وہ اس فرق کو قلیل سمجھ کر نظر انداز کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہی فرق

تصویر اور عکس میں مابہ الامتیاز ہے۔ عکس کو جس وقت تک مسالہ لگاکر پائیدار نہ کرلیا جائے اُس وقت تک وہ عکس ہے اور جب اس کو مسالہ کے ذریعہ سے پائیدار اور قائم کرلیا جائے وہی عکس، عکس کی حدود سے نکل کر تصویر بن جاتا ہے۔ کیونکہ عکس صاحب عکس کا ایک عرض ہے جو اُس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آئینہ یا پانی وغیرہ میں جب تک کہ ذی عکس اُن کے مقابل رہتا ہے اُس وقت عکس باقی رہتا ہے اور جب وہ اُن کے محاذات سے ہٹ جائے تو عکس بھی اس کے ساتھ چل دیتا ہے۔ دھوپ میں آدمی کھڑا ہوتا ہے اور اس کا عکس زمین پر پڑتا ہے مگر اُس کا وجود آدمی کے تابع ہوتا ہے جس طرف یہ چلتا ہے عکس بھی اس کے ساتھ چلتا ہے زمین کے کسی خاص حصّہ پر اُس کا قائم اور پائیدار ہونا اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کسی مسالہ یا نقش اور رنگ کے ذریعہ سے اس کی تصویر نہ کھینچ لی جائے۔

حاصل یہ ہے کہ عکس جب تک کہ مسالہ وغیرہ کے ذریعہ سے پائیدار نہ کرلیا جائے اُس وقت تک وہ عکس ہے اور جب اس کو کسی طریقہ سے قائم و پائیدار کرلیا جائے تو وہی تصویر بن جاتا ہے۔

اور عکس جب تک عکس ہے نہ شرعاً اُس میں کوئی حرمت ہے اور نہ کسی قسم کی کراہت، خواہ وہ آئینہ، پانی یا کسی اور شفاف چیز پر ہو یا فوٹو کے شیشہ پر۔ اور جب وہ اپنی حد سے گذر کر تصویر کی صورت اختیار کرے گا خواہ وہ مسالہ کے ذریعہ سے ہو یا خطوط و نقوش کے ذریعہ سے اور خواہ یہ فوٹو کے شیشہ پر ہو یا آئینہ وغیرہ شفاف چیزوں پر۔ اُس کے سارے احکام وہی ہوں گے جو تصویر کے متعلق ہیں۔

غرض مسالہ لگا کر پائدار کرنے سے پہلے پہلے صورت کا عکس فوٹو کے شیشہ پر بھی ایسا ہی حلال اور جائز ہے جیسے آئینہ یا پانی وغیرہ میں۔ اور مسالہ لگا کر آئینہ وغیرہ شفاف چیزوں پر بھی عکس کا پائدار کر لینا ایسا ہی حرام و ناجائز ہے جیسا کہ فوٹو کے آئینہ پر۔

آج اگر کوئی مسالہ ایسا ایجاد کیا جائے کہ جب اُس کو آئینہ پر لگایا جائے تو اُس کے مقابل صورت اُس میں قائم ہو جائے یا کوئی شخص اُسی صورت کو قلم وغیرہ سے آئینہ پر نقش کر دے تو یقیناً اُس آئینہ کی صورت کا وہی حکم ہوگا جو تمام تصاویر کا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

ان حضرات نے فرمایا ہے کہ "فوٹوگرافر اعضاء کی تخلیق و تکوین نہیں کرتا" لیکن معلوم ہونا چاہیئے کہ اعضاء کی تخلیق و تکوین کے کیا معنی ہیں؟

کیا صرف یہی کہ تصویر کے ایک ایک عضو کو بغیر کسی آلہ اور واسطہ کے اپنے ہاتھ سے بنایا جائے۔ یا کسی آلہ کے ذریعہ سے بنانا بھی تخلیق و تکوین میں داخل ہے۔ اگر تخلیق اسی کا نام ہے کہ کوئی آلہ درمیان میں نہ ہو تو وہ شخص بھی اعضاء کی تخلیق نہیں کرتا جو کسی مشین کے ذریعے سے لوہے تانبے یا کسی اور دھات کے مجسمے یا بُت بناتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی تخلیق اعضاء کا مجرم نہیں ہو سکتا جو سانچے میں مورتیں اور مجسمات ڈھالتا ہے۔ بلکہ اس شخص پر بھی یہ جرم عائد نہیں ہو سکتا جو قلم سے تصویر بناتا ہے کیونکہ وہ بھی بلا واسطہ تخلیقِ اعضاء نہیں کرتا۔ قلم درمیان میں حائل ہے۔

اور اس وقت اس قاعدہ کی بناء پر فقط فوٹوگرافی جائز نہیں ہوتی بلکہ بہت سے بتوں اور مجسمات بلکہ تمام تصویروں کا بنانا بھی حلال طیّب ہو جاتا ہے جس

کی قباحت محتاج بیان نہیں۔

اور اگر کسی واسطہ کے ذریعہ سے تصویر بنانا بھی تخلیق اعضاء کے حکم میں داخل ہے۔ توجس طرح مشینوں اور سانچوں میں مجسمات ڈھالنا، قلم سے تصویر بنانا تخلیق اعضا ہے ایسے ہی مسالہ کے ذریعے سے فوٹو کے عکس کو پائدار کرنا بھی تخلیق ہے۔

اور جب مشینوں، سانچوں میں مجسمات ڈھالنا، قلم سے تصویر بنانا حرام ہیں تو فوٹو کے عکس کو مسالہ لگا کر پائدار کرنا کیوں حرام نہ ہو۔

اور اگر تسلیم ہی کر لیا جائے کہ فوٹو گرافر اعضاء کی تخلیق و تکوین نہیں کرتا تو زیادہ سے زیادہ اس سے یہ ثابت ہوگا کہ فوٹو گرافی میں تشبہ بالخالق (جو تصویر کشی کی حرمت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے) لازم نہیں آتا۔ لیکن رسالہ التصویر میں واضح کیا جاچکا ہے کہ تصویر کشی کی حرمت فقط اسی ایک سبب پر مبنی نہیں بلکہ اس کے دو سبب اور بھی ہیں یعنی تصویر کا مبادی شرک میں سے ہونا۔ اور مشابہت کفار کا لازم آنا۔ اور یہ دونوں سبب حرمتِ فوٹو گرافی میں بے شبہ موجود ہیں اور میں عرض کر چکا ہوں کہ جب تک اسباب حرمت میں سے ایک سبب بھی کسی تصویر میں موجود ہوگا اس وقت تک یہ تصویر جائز نہیں ہو سکتی۔ اس لیے تخلیق و تکوین نہ کرنے پر بھی فوٹو گرافی جائز نہ ہونی چاہیئے

اس کے بعد میں پھر اپنے مقصود (فوٹو کی تصویر اور آئینہ کے عکس میں فرق) کو بیان کرتا ہوں۔

یہ ایک فرق تو وہی تھا جس کو خود ان حضرات نے بھی تسلیم کیا ہے۔

(۲) دوسرا فرق آئینہ وغیرہ کے عکس اور فوٹو کی تصویر میں یہ بھی ہے کہ آئینہ کے عکس میں مشابہتِ کفار لازم نہیں آتی۔ اور فوٹو میں لازم آتی ہے

یا پانی وغیرہ میں چہرہ دیکھنا کفار کا خاص شعار نہیں بلکہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم سے بھی ثابت ہے۔ اور فوٹو کا دیواروں وغیرہ میں لگانا رومن کیتھولک اور دیگر تصاویر پرست فرقِ کفار کے طرزِ عمل کے مشابہ ہے۔

(۳) ایک فرق یہ بھی ہے کہ عرف میں آئینہ وغیرہ کے عکس کو کوئی تصویر نہیں کہتا اور فوٹو کو تصویر کہا جاتا ہے جیسا کہ میں عنقریب اس کی شہادت پیش کروں گا۔ اس لیئے فوٹو کے احکام تصویر کے احکام ہونے چاہیئیں نہ عکس آئینہ کے۔

یہ تین نمایاں فرق ہیں جو فوٹو کی تصویر کو آئینہ وغیرہ کے عکس سے ممتاز کر دیتے ہیں اس لیئے فوٹو کی تصویر کو آئینہ کے عکس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہوگا جو شرعاً وعقلاً مردود ہے۔

تیسری دلیل ان حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ:۔

"موجودہ دنیائے اسلام کے تمام روشن خیال علماء کی (بشرطیکہ روشن خیالی منصبِ افتاء کے خلاف نہ ہو) رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ فوٹو گرافی مصوری نہیں ہے اور نہ فوٹو پر تصویر کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ مصر و مراکش ایران و قسطنطنیہ کے تمام اکابر ارباب عمائم ہم کو کاغذی پیراہنوں میں ہندوستان میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں"

مگر کیا تعجب کے قابل نہیں کہ وہ روشن خیال عالم جو ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کی تقلید سے بے نیاز ہو (اپنی خواہش کے موافق دیکھ کر) اپنے معاصرین کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔ اور وہ آزاد قلم جس کو متقدمینِ اسلام کا اتباع ایک تاریک پہلو نظر آتا ہو اور جو جمہور فقہاء و محدثین کے (جن میں بہت سے صحابہ رض

بھی داخل ہیں) کلام کی تغلیط کرتے ہوئے بھی نہ رُکتا ہو۔

وہی مسلم ہے جو اس وقت اپنے تھوڑے معاصرین کے فتووں سے مسلمانوں کے لیے ایک حرام کو حلال کرنا چاہتا ہے۔ اور کیا افسوس کے قابل نہیں کہ جب اپنے خیال کے موافق نہ ہو تو حضرت علی اور ابن عباس رضہ کی بھی شنوائی نہ ہو؟ اور جب موافق ہو تو چند معاصرین کے فتوی قابلِ استدلال بن جائیں۔ خصوصاً جبکہ ہزارہا علماء کے فتوے اُن کے خلاف بھی موجود ہوں بقولِ اکبر ؎

دل کو بھا جائے تو اکبر کی خرافات اچھی

پھر معلوم نہیں کہ روشن خیالی اور تاریک خیالی کا معیار ان حضرات کے نزدیک کیا ہے جس کی وجہ سے اُن ہزاروں علمائے ہند و غیر ہند کو روشن خیالی میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی جن کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ احکام شرعیہ میں جسارت و دلیری سے کام لے کر دین کو اپنی خواہشات کا تابع نہیں بناتے اور متقدمین اسلام کو اپنے سے زیادہ اعلم بالقرآن و الحدیث سمجھ کر اُن کی رائے کو اپنی رائے سے مقدم جانتے ہیں۔

اور اگر فی الواقع وہ اسی جرم کی سزا میں روشن خیالی سے محروم ہیں تو یہ محرومی ان کے لیے باعثِ فخر ہے۔ اُنھیں ایسی روشن خیالی کی ضرورت نہیں۔ اُن کی تاریک خیالی پر ایسی ہزاروں روشنیاں قربان کی جا سکتی ہیں ؎

خدا گواہ کہ جرم ما ہمیں عشق است   گناہ گبر و مسلماں بجرم ما بخشد

اس کے بعد مجھے اس میں بھی کلام ہے کہ جن علماء کو آپ کی اصطلاح میں روشن خیال کہا جاتا ہے وہ بھی سب کے سب اس مسئلہ میں آپ کے ہم نوا ہو کر فوٹو اور فوٹوگرافی کو حلال سمجھتے ہوں بلکہ اب تو وہ اصطلاحی روشن خیال حضرات بھی جو ایک عرصہ دراز تک فوٹو کو نہ فقط جائز سمجھتے رہے بلکہ بذریعہ

عمل مسلمانوں کو اس کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔ جب اُن کو اپنی عاقبت پیشِ نظر ہوتی ہے تو وہ اپنے خیالات سے تائب ہوکر (جیسا کہ ایک مسلمان کا فرض ہے) صاف صاف حق کا اعتراف کر لیتے ہیں۔

ہم نہایت مسرّت کے ساتھ جناب ابو الکلام آزادؔ کو مرحبا کہتے ہیں (اور خدا سے دُعاء کرتے ہیں کہ سیّد صاحب ندوی[ع] اور ان کے ہم خیال علماء بھی اس میں اُن کی تقلید کریں) جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ نے ایک مدّتِ مدید تک اپنے اخبار "الہلال" کو باتصویر شائع کرنے کے بعد اب اپنے خیال سے رجوع کر لیا ہے۔ چنانچہ جب آپ کے بعض معتقدین نے آپ کا تذکرہ لکھا اور درخواست کی کہ آپ کا فوٹو بھی درج تذکرہ کیا جائے تو آپ نے صاف انکار کر دیا۔ اور اُن کے خط کے جواب میں یہ الفاظ لکھے :-

"تصویر کا کھنچوانا، رکھنا، شائع کرنا، سب ناجائز ہے۔ یہ میری سخت غلطی تھی کہ تصویر کھنچوائی اور "الہلال" کو باتصویر نکالا تھا۔ میں اب اس غلطی سے تائب ہو چکا ہوں۔ میری پچھلی لغزشوں کو چھپانا چاہیئے نہ کہ ازسرِ نو اُن کی تشہیر کرنی چاہیئے"

آپ سے فوٹو کھنچوانے کی درخواست کی گئی تھی جس کے جواب میں انھوں نے فوٹو کو تصویر میں داخل سمجھ کر (جیسا کہ وہ واقع میں داخل ہے) لکھا کہ تصویر کھنچوانا۔ شائع کرنا۔ رکھنا، سب ناجائز ہے"

[ع] حضرت مولانا سیّد سلیمان صاحب ندوی مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مولانا موصوف نے اپنی وفات سے پہلے اس فتوے سے رجوع کا اعلان فرما دیا تھا۔ نور اللہ مرقدہٗ ۱۲ محمد شفیع غفرلہ

جس سے اُس دلیل کی بھی حقیقت کھل گئی جس کو مولانا سید سلیمان صاحب نے روشن خیال علماء سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔

"فوٹو گرافی مصوری نہیں اور نہ فوٹو پر تصویر کا اطلاق ہوسکتا ہے"

جناب مولانا ابوالکلام تو آپ کی اصطلاح میں تاریک خیال نہیں یہ تو اُنھیں حضرات میں سے ہیں جن کے فوٹو کو آپ حضرات کے نزدیک فوٹو کے جواز کا فتویٰ کہا جاتا ہے۔

خداوندِ عالم مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کی توفیق دے آمین۔

میری اتنی گذارش سے انشاء اللہ تعالیٰ واضح ہوگیا ہوگا کہ جن وجوہ کی بنا پر فوٹو اور فوٹو گرافی کو حلال اور جائز سمجھا جا سکتا تھا اُن میں سے ایک بھی قابلِ استدلال نہیں۔ اور اس ضعیف بنیاد پر ایک حرام صریح کو حلال کردینا اتنی بڑی جسارت اور دلیری ہے کہ کسی خدا ترس مسلمان سے ممکن نہیں بلکہ بلاشبہ اُسی مضمون کی نظیر ہے جو بحوالہ حدیث اوپر ذکر ہوچکا ہے کہ اُس اُمت کے کچھ لوگ نام بدل کر شراب پیئں گے۔ بلاشبہ یہ بھی اسی طرح تصویر کا نام بدل کر اُس کو حلال کرنا ہے حق تعالیٰ مسلمانوں کو اس بلائے عظیم سے بچائے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ کتبہ احقر محمد شفیع غفرلہٗ

تنبیہ (۱) حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحؒ نے ایک مضمون تصویر کے جواز پر معارف اعظم گڈھ سے شائع کیا تھا اس کے جواب میں احقر کا رسالہ "التصویر لاحکام التصویر" شائع ہوا۔ زیر نظر رسالہ فوٹو سے متعلق بھی دراصل اُسی رسالہ التصویر کا جز تھا۔ یہاں آلاتِ جدیدہ کی مناسبت سے صرف اس رسالہ کو لے لیا گیا ہے اس میں جا بجا رسالہ تصویر کے حوالہ ہیں اُس سے

مراد وہی مستقل کتاب ہے جو بنام "التصویر" شائع ہوئی تھی۔

(۲) یہ قصہ اب سے تقریباً ۴۰ چالیس سال قبل کا ہے اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا ندوی رح نے اپنی تحقیق پر نظر ثانی فرماکر اس سابق فتویٰ سے رجوع اور جمہور مسلمانوں سے اتفاق کا اعلان فرماکر علماء حق کی سنت کو زندہ فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو بالخصوص علماء کو آپ کے اسوہ کی توفیق عطا فرمائے۔ بندہ محمد شفیع۔

تصحیح العلم

فی

تقبیح الفلم

از افاضات حضرت مجدد الملۃ حکیم الامۃ فقیہ العصر حضرت مولانا اشرف علی صاحب علیہ الرحمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر بائسکوپ کے پردہ پر خلفائے اسلام، شاہانِ اسلام اور رہنمایانِ اسلام کی تصویریں متحرک، بولتی، گاتی اور ناچتی دکھائی جائیں اور خواتینِ اسلام کو بائسکوپ کے ذریعہ سے پبلک میں بے پردہ پیش کیا جائے تو کیا شریعتِ اسلامیہ اس فعل کو جائز قرار دیتی ہے یا شریعتِ اسلامیہ کے نزدیک یہ فعل ناجائز ہے اور کیا حکم دیتی ہے۔ شریعت اسلامیہ ان حضرات

کے بارہ میں جو اس فعل کے جواز کی حمایت میں پروپیگنڈا کرتے ہیں اور مسلمانوں کو متحرک تصاویر اور بولتی تصاویر کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔ بیّنوا توجروا؟

الجواب :۔ شریعت اسلامیہ میں جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً معصیت ہے خواہ کسی کی تصویر ہو اور خواہ مجسمہ ہو یا غیر مجسمہ۔ فی جمع الفوائد من السنۃ عن عائشۃ رضؓ قدم صلے اللہ علیہ وسلم من سفر وقد سترت بقرام علے سھوۃ لی فیہ تصاویر فنزعہ وقال اشد الناس عذابا یوم القیامۃ الذین یتضاھون بخلق اللہ۔ اور کسی مسلمان کی تصویر بنانا اور زیادہ معصیت ہے کہ اس میں ایسے شخص کو آلۂ معصیت بنانا ہے جو اس کو اعتقاداً قبیح جانتا ہے اور اسی اصول پر حق تعالیٰ کی قسم معصیت پر کھانے پر خاص تشنیع فرمائی گئی ہے۔ فی تفسیر الجلالین ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم ای نصبا لھا بان تکثروا الحلف بہ ان لا تبروا وتتقوا وتصلحوا بین الناس فی الکمالین نصبا ای علما للایمان فی القاموس النصب بضمتین کل ما جعل علما ای لا تجعلوا اللہ معرضا لایمانکم۔ اگرچہ اُس تصویر کی طرف کوئی امر مکروہ بھی منسوب نہ کیا گیا ہو محض تفریح و تلذ ذہی کے لیئے ہو کیونکہ محرمات شرعیہ سے تلذ ذ بالنظر بھی حرام ہے فی الدر المختار کتاب الاشربۃ وحرم الانتفاع بھا رای بالخمر) ولو لسقی دواب اولطین او نظر للتلھی اور اگر اس کی طرف کسی نقص یا عیب کو بھی منسوب کیا جائے تو اُس میں ایک دوسری معصیت یعنی غیبت بھی منضم ہوگئی کیونکہ غیبت صرف کلام ہی میں منحصر نہیں نقوشِ قلم یعنی کتابت سے بھی ہوتی ہے اسی طرح اس عیب کی ہیئت بنانے سے بھی ہوتی ہے بلکہ یہ سب سے اشد ہے۔ فی احیاء العلوم بیان ان الغیبۃ لا تقتصر

على اللسان اعلم ان الذكر باللسان انما حرم لان فيه تفهيم الغير
نقصان اخيك وتعريضه بما يكرهه فالتعريض به كالتصريح.
والفعل فيه كالقول والاشارة والايماء والغمز والهمز والكتابة
والحركة وكل ما يفهم المقصود فهو داخل فى الغيبة وهو حرام فمن
ذلك قول عائشة رض دخلت علينا امرأة فلما ولّت اومأت بيدى
انها قصيرة فقال عليه السلام اغتبتيها (ابن ابى الدنيا وابن مردويه
من رواية حسان بن مخارق وحسان وثقه ابن حبان وبا قيهم
ثقات كذا فى تخريج العراقى باختلاف يسير فى بعض الالفاظ)
ومن ذلك المحاكاة كان يمشى متعارجًا اوكما يمشى فهو غيبة بل هو
اشد فى الغيبة لانه اعظم فى التصوير والتفهيم ولما راى صلى الله عليه
وسلم عائشة حاكت امرأة قال ما يسرنى انى حاكيت انسانا ولى كذا و
كذا (تقدم فى الآفة الحادية عشر عن ابى داؤد والترمذى وصححه
كذا فى تخريج العراقى) وكذلك الغيبة بالكتابة فان القلم احد اللسانين
وذكر المصنف شخصا معينا وتهجين كلامه فى الكتاب غيبة الخ - اسى طرح
اُس منسوب الیہ کی تصویر کی کوئی خاص ہیئت بنانا بھی ایسا ہی ہے جیسے خود
اس شخص کی طرف اُس وصف کو منسوب کرنا مثلاً مخدرات کی تصاویر کو بے پردہ
ظاہر کرانا - فی صحیح البخاری غزوۃ الفتح عن ابن عباسؓ ان رسول الله
صلى الله عليه وسلم لما قدم ابى ان يدخل البيت وفيه الالهة
فامر بها فاخرجت فاخرج صورة ابراهيم واسمٰعيل فى ايديهما من
الازلام فقال النبى صلى الله عليه وسلم قاتلهم الله لقد علموا ما
استقسما بها قط ثم دخل البيت الحديث - اگرچہ وہ نقص یا عیب

واقع میں بھی اُس میں ہو تب بھی اُس کی غیبت باقسامہا حرام ہے اور اگر واقع کے خلاف ہو تو غیبت سے بڑھ کر وہ بہتان ہے عن ابی هريرة رضؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اتدرون ما الغيبة قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال ذکرک اخاہ بما یکرہ فقال رجل ارایت ان کان فی اخی ما اقول قال کان فیہ ما تقول فقد اغتبتہ وان لم یکن فیہ ما تقول فقد بھتہٗ (جمع الفوائد عن ابی داؤد والترمذی) اور جس کی طرف کوئی نقص یا عیب منسوب کیا گیا ہے اگر علاوہ مسلمان ہونے کے اس میں اور کوئی وجہ بھی احترام کی ہو جیسے سلاطینِ اسلام میں اُن کی اہانت اور زیادہ موجب انتقام خداوندی ہے لحدیث من اھان سلطان اللہ فی الارض اھانہ اللہ (ترمذی) اور جس کی تنقیص یا اہانت مذموم ہے اُس کی طرف جو چیزیں خصوصیت کے ساتھ منسوب ہیں اُن کی اہانت کا بھی وہی حکم ہے جیسے اُن کی بیبیاں وغیرہا چنانچہ کفارِ عرب حضراتِ صحابہ رضؓ کی بیبیوں کے نام اپنے اشعار میں عشق بازی کے عنوان سے ذکر کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اُس کو ایذاء قبیح میں شمار فرمایا فی الجلالین ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم من الیھود والنصاریٰ ومن الذین اشرکوا (من العرب) اذی کثیرا من السب والتشبیب بنسائکم اور زوجیت یا قرابت کی نسبت تو بڑی چیز ہے استعمال کی نسبت بھی حرمت تنقیص کے لیئے کافی ہے جیسے کسی کے استعمالی کپڑے میں عیب نکالنا۔ فی احیاء العلوم بیان معنی الغیبۃ واما فی ثوبہ فکقولک انہ واسع الکم طویل الذیل وسخ الثیاب اور اگر وہ تصویر کسی مشتہاۃ کی ہو تو نظر بد کی معصیت کا اُس میں اور اضافہ ہو جاتا

ہے اور تصویر تو صاحبِ تصویر کی پوری حکایت ہے اجنبیہ کے تو کپڑے کو بھی بدنفسی
سے دیکھنا حرام ہے۔ فی رد المحتار باب الحظر والاباحۃ مفادہ ان رویۃ
الثوب بحیث یصف حجم العضو ممنوعۃ ولو کثیفاً لا تری البشرۃ
منہ وفیہ فی بحث النظر الی الاجنبیۃ من المرأۃ او الماء بخلاف النظر
لانہ انما منع منہ خشیۃ الفتنۃ والشھوۃ وذلک موجود ھھنا وفیہ
فی احکام ستر العورۃ ان النظر الی ملاءۃ الاجنبیۃ بشھوۃ حرام۔
بالخصوص اگر غیر مسلموں کو خواتین مسلمات کی تصاویر کی طرف بدنفسی و بدنیتی سے
ساتھ نظر کرنے کا موقع دیا جائے کیونکہ بدنفسی سے نظر کرنا شریعت میں ایک
گونہ بدکاری ہے بنص الحدیث اور ایسی بدکاری کہ مرد غیر مسلم ہو اور عورت مسلم۔
بلکہ ایسے موقع پر نکاح بھی اس درجہ امر شدید ہے کہ اس کے احکام علماء مجتہدین
کے لیے محل بحث ہو گئے ہیں اور جس کو مسلمان کے مرتد بنانے کی اور اسلام اور
قرآن میں طعن کرنے کی اور حربیوں سے سازش کرنے کی برابر قرار دیا گیا ہے
نمونہ کے طور پر اس کے متعلق ایک روایت نقل کی جاتی ہے۔ فی الدر المختار
فصل الجزیۃ قلت ومذھب الشافعیۃ ما فی المنھاج وشرحہ لابن
حجر ولو زنی بمسلمۃ او اصابھا بنکاح او دل اھل الحرب علی عورۃ
المسلمین او فتن مسلماً عن دینہ او طعن فی الاسلام او القرآن الخ
اور ان سب سے بڑھ کر شناعت میں وہ صورت ہے جس میں مقتدایانِ دین کی
اہانت ہو کہ درحقیقت وہ اہانت اسلام کی ہے جس کا تحمل کسی طرح طبعاً اور شرعاً
ممکن نہیں۔ فی جمع الفوائد عن ابی امامۃ رفعہ ثلثۃ لا یستخف بھم الا
منافق ذو الشیبۃ فی الاسلام وذو العلم وامام مقسط وفیہ عن
الترمذی عن عبد اللہ بن مغفل مرفوعاً اللہ اللہ فی اصحابی من اذاھم

فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیوشک ان یاخذہ
اور جب ایسی فلموں کے قبائح معلوم ہو گئے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ بقدر اپنی قدرت کے گو وہ قدرت حکومت سے استعانت ہی کے طور پر ہو ان کے انسداد میں کوشش کریں اور تماشہ دیکھنے والوں کو ان قبائح پر مطلع کر کے شرکت سے روکیں ورنہ اندیشہ ہے کہ سب عقاب خداوندی میں گرفتار ہوں۔ ابوداؤد مرفوعاً مامن قوم یعمل فیہم بالمعاصی ثم یقدرون علی ان یغیروا ثم لا یغیرون الا یوشک ان یعمہم بعقاب (مشکوٰۃ) اور جب ساکتین کے لیے یہ وعید ہے تو ترغیب دینے والے کس درجہ کی وعید کے مستحق ہوں گے روی ابوداؤد عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال اذا عملت الخطیئۃ فی الارض من شہدھا فکرھہا کان کمن غاب عنہا ومن غاب فرضیہا کان کمن شہدھا رای باشرھا وشارک اہلہا)

اشرف علی تھانوی

۱۸ر شعبان ۱۳۵۰ھ ہجری نبوی

روزہ میں انجکشن کا شرعی حکم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل جو انجکشن کے ذریعہ دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے یہ مفسد صوم ہے یا نہیں ادلۂ شرعیہ سے جواب عنایت فرمایا جاوے۔

الجواب: ۔ ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوفِ عروق میں پہنچائی جاتی ہے اور خون کے ساتھ شرایین یا اوردہ میں اُس کا سریان ہوتا ہے۔ جوفِ دماغ یا جوفِ بطن میں براہِ راست دوا نہیں پہنچتی اور فسادِ صوم کے لیے مفطر کا جوفِ دماغ یا جوفِ بطن میں منفذ اصلی کے ذریعہ پہنچنا ضروری ہے کسی عضو کے جوف میں یا عروق (شرایین و اوردہ) کے جوف میں پہنچنا مفسدِ صوم نہیں۔ لہذا انجکشن کے ذریعہ جو دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے مفسدِ صوم نہیں فقہاء کی عبارتیں دو طرح پر تقریباً بلکہ حقیقۃً اس دعویٰ کی تصریح کرتی ہیں۔

اول تو یہ کہ فقہاء نے زخم پر دوا ڈالنے کو مطلقاً مفسد نہیں فرمایا بلکہ جائفہ یا آمّہ کی قید لگائی ہے کیونکہ انھیں دو قسم کے زخموں سے دوا براہِ راست جوفِ دماغ یا جوفِ بدن کے اندر پہنچتی ہے ورنہ جوفِ عروق کے اندر تو دوسری قسم کے زخموں سے بھی دوا پہنچ جاتی ہے۔

دوسرے بہت سی جزئیاتِ فقہیہ مسلماتِ فقہاء میں ایسی ہیں جن میں دوا وغیرہ مطلقاً جوفِ بدن میں تو پہونچ گئی لیکن چونکہ جوفِ دماغ یا جوفِ بطن میں منفذ اصلی سے نہیں پہنچی اس لیے اس کو مفطر و مفسدِ صوم نہیں قرار دیا جیسے مرد کی پیشاب گاہ کے اندر دوا یا تیل وغیرہ چڑھانے سے باتفاق ائمہ ثلٰثہ روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ کما صرح بہ الشامی حیث قال وافاد انہ لو القی فی قصبۃ الذکر لا یفسد اتفاقاً ولا شک فی ذلک شامی ص ۱۰۳ ج ۲ ومثلہ فی الخلاصۃ ص ۲۵۳ ج ۱۔ نقلاً عن ابی بکر البلخی رح

اگر دوا مثانہ تک پہونچ جائے تب بھی امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مفسدِ صوم نہیں۔ اور حضرت امام ابو یوسف رح جو مثانہ میں پہونچ جانے پر مفسد

قرار دیتے ہیں وہ بھی اس بنا پر کہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ مثانہ اور معدہ کے درمیان منفذ ہے جس سے دوا معدہ میں پہونچ جاتی ہے ورنہ نفس مثانہ میں پہونچنے کو وہ بھی مفسد نہیں فرماتے۔ اسی لیے صاحب ہدایہ نے اس اختلاف کے متعلق فرمایا ہے فکانہ وقع عند ابی یوسف رح ان بینہ و بین الجوف منفذا ولھذا یخرج منہ البول و وقع عند ابی حنیفۃ رح ان المثانۃ بینھما حائل والبول یترشح منہ وھذا لیس من باب الفقہ انتہی۔ ابن ہمام اس کی شرح میں فرماتے ہیں یفید انہ لاخلاف لو اتفقوا علی تشریح ھذا العضو فان قول ابی یوسف رح بالافساد انما ھو علی بناء قیام المنفذ بین المثانۃ والجوف (الی قولہ) قال فی شرح الکنز و بعضھم جعل المثانۃ نفسھا جوفا عند ابی یوسف رح وحکی بعضھم الخلاف مادام فی قصبۃ الذکر ولیسا بشئ انتہی۔

اسی طرح اگر کان میں پانی ڈالے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ کما صرح بہ فی الدرمختار والخلاصہ۔ حالانکہ کان بھی ایک جوف ہے اسی طرح اگر کوئی انگور وغیرہ کو ایک تاگے میں باندھ کر نگل جائے اور پھر کھینچ لے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ کما قال فی الخلاصۃ وعلی ھذا لو ابتلع عنبا مربوطا بخیط ثم اخرجہ لا یفسد صومہ خلاصہ صنہ ۲۶ ج ۱ ومثلہ فی العالمگیریہ مطبوعۃ الھند ص ۲۰۲ ولفظہ ومن ابتلع لحما مربوطا علی الخیط ثم انتزع من ساعتہ لا یفسد وان ترکہ فسد کذا فی البدائع۔ اگر مطلق جوفِ بدن میں کسی شئے کا پہنچنا مفسد ہوتا تو خود پیشاب گاہ بھی ایک جوف ہے اور مثانہ تو بدرجہ اولی جوف ہے کان اور حلق بھی جوف ہیں ان میں پہنچنا بالاخلاف مفسد صوم ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جوفِ بدن

میں مفطر چیزوں کا پہنچنا مفطر صوم نہیں بلکہ خاص جوفِ دماغ اور جوف بطن مراد ہیں بلکہ جوفِ دماغ بھی اس میں اصل نہیں وہ بھی اسی وجہ سے لیا گیا ہے کہ جوفِ دماغ میں پہنچنے کے بعد بذریعہ منفذ جوف معدہ میں پہنچ جانا عادۃ اکثریہ ہے جیسا کہ صاحب بحر کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے فانّ فی البحر والتحقیق أن بین جوف الراس وجوف المعدۃ منفذًا اصلیًا فما وصل الی جوف الراس وصل الی جوف البطن من الشامی ص۱۶ ج۲ اس عبارت میں اس مقصد کی بالکل وضاحت ہوگئی کہ جوف سے مراد صرف جوفِ بطن ہے اور جوفِ دماغ سے چوں کہ جوفِ بطن میں پہنچنا لازمی ہے اس لیے اس میں پہنچنے کو بھی تبعًا لجوف المعدہ مفسد قرار دیا ہے۔ اسی طرح حقنہ وغیرہ کو تبعًا لجوف المعدہ مفسد کہا گیا ہے۔ فتاوے قاضی خاں میں ہے اما الحقنہ والوجور فلانہ وصل الی الجوف ما فیہ صلاح البدن وفی القطور والسعوط لانہ وصل الی الراس ما فیہ صلاح البدن۔ اس عبارت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ جس جوف میں پہنچنا مفسد صوم ہے وہ جوفِ معدہ اور جوفِ دماغ ہے مطلقًا جوف مراد نہیں اور خلاصۃ الفتاوی کی عبارت اس مضمون کے لیے بالکل نص صریح ہے وھی ھذہ:-

وما وصل الی الجوف الراس والبطن من الاذن والانف والدبر فھو مفطر بالاجماع وفیہ القضاء وھی مسائل الاقطار فی الاذن والسعوط والوجود والحقنہ وکذا من الجائفۃ والآمۃ عند ابی حنیفۃ رح۔ اسی طرح عالمگیری کے الفاظ بھی اس کے قریب ہیں:-

وفی دواء الجائفۃ والآمۃ اکثر المشائخ علی ان العبرۃ للوصول

الی الجوف والدماغ (عالمگیریہ مطبوعۃ الھند جلد ا ص۲۰۲)

اور بدائع کی عبارت ان سب سے زیادہ اس مضمون کے لیئے اصرح واوضح ہے

وھی ھذہ وما وصل الی الجوف او الدماغ من المخارق الاصلیۃ کالانف والاذن والدبر بان استعط او احتقن او اقطر فی اذنہ فوصل الی الجوف اوالی الدماغ فسد صومہ۔ واما اذا وصل الی الدماغ لانہ لہ منفذاً الی الجوف فکان بمنزلۃ زاویۃ من زوایا الجوف الی قولہ واما اذا وصل الی الجوف اوالی الدماغ من غیر المخارق الاصلیۃ بان داوی الجائفۃ والآمۃ فان داواھا بدواء یابس لایفسد لانہ لم یصل الی الجوف ولا الی الدماغ ولو علم انہ وصل یفسد فی قول ابی حنیفۃ رح بدائع ص۹۳ ج۲

بدائع کی مذکورالصدر عبارت سے دو باتیں ثابت ہوئیں :۔

اوّل یہ کہ کسی چیز کا بدن کے کسی حصّہ کے اندر داخل ہوجانا مطلقاً روزہ کو فاسد نہیں کرتا بلکہ اس کے لیئے دو شرطیں ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ چیز جوفِ معدہ میں یا دماغ میں پہونچ جائے۔ دوسرے یہ کہ یہ پہونچنا بھی مخارق اصلیہ یعنی منفذ اصلی کے راستہ سے ہو اگر کوئی چیز مخارق اصلیہ کے علاوہ کسی دوسرے کیمیاوی طریق سے جوفِ معدہ یا دماغ میں پہونچادی جائے تو وہ بھی مفسدِ صوم نہیں۔

انجکشن کے ذریعہ بلا شبہ دوا یا اُس کا اثر پورے بدن کے ہر حصہ میں پہونچ جاتا ہے مگر یہ پہونچنا منفذ اصلی کے راستہ سے نہیں۔ بلکہ عروق (رگوں) کے راستہ سے یہ راستہ منفذ اصلی نہیں۔ اسی لیئے گرمی کی

موسم میں کوئی شخص اگر ٹھنڈے پانی سے غسل کرتا ہے تو پیاس کم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ پانی کے اجزاء مسامات کے راستہ سے اندر جاتے ہیں مگر اس کو کسی نے مفسد صوم نہیں قرار دیا۔ اس سے یہ شبہ بھی رفع ہو گیا کہ گلوکوز وغیرہ کے انجکشن ایسے ہیں کہ ان کے ذریعہ بدن کو غذا جیسی قوت پہونچ جاتی ہے۔ اس لیئے اُن کا حکم غذا کا سا ہونا چاہیئے۔ جواب واضح ہے کہ قوت پہونچانا مطلقاً مفسد نہیں جیسے ٹھنڈک پہونچانا مفسد نہیں بلکہ منفذ اصلی کے راستہ سے کسی چیز کا جوف معدہ یا دماغ میں پہونچنا مفسد ہے وہ انجکشن میں نہیں پایا جاتا اگرچہ قوت اس سے پہونچ جائے۔

انجکشن کی ایک واضح نظیر

یہ ظاہر ہے کہ انجکشن کا طریقہ نہ عہد رسالتؐ میں موجود تھا نہ ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں۔ اس لیئے اس کا کوئی صریح حکم تو نہ کسی حدیث میں مل سکتا ہے نہ ائمہ دین کے کلام میں۔ البتہ فقہی اصول و قواعد اور نظائر پر قیاس کر کے ہی اس کا حکم شرعی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ سو اس کی واضح مثال یہ ہے کہ اگر کسی کو بچھو یا سانپ کاٹ لے تو یہ مشاہدہ ہے کہ زہر بدن کے اندر جاتا ہے سانپ کا زہر تو اکثر دماغ ہی پر اثر انداز ہوتا ہے اور بعض جانوروں کے کاٹنے سے بدن پھول جاتا ہے جس سے زہر کا بدن کے اندر جانا یقینی ہو جاتا ہے مگر کسی دنیا کے فقیہ عالم نے اس کو مفسد صوم نہیں قرار دیا۔ یہ انجکشن کی ایک واضح مثال ہے بلکہ سنا یہ گیا ہے کہ انجکشن کی ایجاد بھی اسی طرح ہوئی ہے کہ زہریلے جانوروں کے کاٹنے کا تجربہ کرتے کرتے اس نتیجہ پر پہونچا گیا ہے کہ دوا کا فوری اثر اس طرح بدن میں پہنچایا جا سکتا ہے۔

سانپ بچھو اور دوسرے زہریلے جانوروں کے کاٹنے کو دنیا میں کسی نے مفسد صوم قرار نہیں دیا۔ اس کی وجہ وہی ہو سکتی ہے جو بدائع کے حوالہ سے ابھی گذری ہے کہ یہ زہر اگرچہ بدن کے سب حصوں میں پہونچ گیا مگر مخارق اصلیہ یعنی منفذ اصلی کے راستہ سے نہیں پہونچا اس لیے مفسد صوم نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ الاحقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ

تصدیقاتِ اکابر

الجواب صحیح:- وھو رای منذ برھتہ من الزمان اشرف علی دار تھانہ بھون ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ	الجواب صحیح:- حسین احمد غفرلہ صدر مدرس دار العلوم دیوبند
الجواب صحیح بندہ اصغر حسین عفا اللہ عنہ مدرس دار العلوم دیوبند	الجواب صحیح محمد اعزاز علی غفرلہ مدرس دار العلوم دیوبند۔

ریڈیو پر — تلاوتِ قرآن

سے متعلقہ احکامِ شرعیّہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علے عبادہ الذین اصطفٰی ومن بھدیٰہ اھتدیٰ

ریڈیو عصرِ حاضر کی ایک ایسی ایجاد ہے جس کو اگر صحیح استعمال کیا جائے تو پوری دنیا کے لیئے بڑی نعمت اور علمی، عملی، اخلاقی تربیت کے لیئے بہترین ذریعہ ہے، لیکن افسوس ہے کہ جن ہاتھوں میں اس کا نظام ہے انھوں نے اس کو مفیدِ خلق بنانے کے بجائے خالص تجارتی اغراض پر مقبولِ عوام بنانے کو ترجیح دی اور اسی لیئے ہر اچھے بُرے مذاق کی تسکین کو اس میں ضروری سمجھ کر اُس میں رقص وسرود اور فلمی گیت تک داخل کر دیئے۔ دیندار مسلمانوں کی ترغیب کے لیئے اس میں تلاوتِ قرآن اور مختلف مضامین پر تقریریں وغیرہ بھی شامل کر دیں۔

اس لیئے فقہی طور پر یہاں چند سوال پیدا ہو گئے جو اکثر اطراف سے آتے رہتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوا کہ ان سوالات کا جواب کسی قدر تفصیل سے اس رسالہ میں لکھدیا جائے۔ واللہ الموفق والمعین۔

سوالات

(١) ریڈیو پر تلاوتِ قرآن جائز ہے یا نہیں؟

(٢) ریڈیو کے ذریعہ تلاوتِ قرآن سننا جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے

تو کیا اس کے لیئے بھی وُہی آداب و شرائط ہیں جو بالمواجہ کسی قاری سے سننے کے وقت لازم ہوتے ہیں؟۔

(۳) اگر ریڈیو پر کسی قاری نے آیتِ سجدہ پڑھی تو کیا سننے والوں پر سجدۂ تلاوت لازم آتا ہے یا نہیں؟۔

(۴) ریڈیو پر درسِ قرآن یا تقریر سے پہلے السلام وعلیکم کہنا کیسا ہے اور سننے والوں پر اس کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟۔

ان سوالات کے جوابات علی الترتیب حسبِ ذیل ہیں:۔

الجواب

(۱) پہلے اصولی طور پر یہ[1] جان لینا ضروری ہے کہ جو آلات خاص طور پر لہو و طرب کے لیئے وضع کیئے گئے ہیں جیسے طبلہ، سارنگی، دوتارہ، ستارہ، ہارمونیم وغیرہ ان پر قرآنی آیات کی آواز بنانا بے ادبی اور گستاخی ہے اس لیئے بالکل ناجائز ہے اور جو آلات اصل سے تو لہو و طرب کے لیئے وضع نہیں ہوئے مگر ان کا عام استعمال لہو و طرب اور گانے بجانے میں ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ آلات لہو و طرب ہی کے آلات سمجھے جاتے ہیں اُن کا بھی حکم یہی ہے جیسے فونوگراف وغیرہ البتہ جو آلات ایسے ہیں کہ نہ اُن کی وضع لہو و طرب کے لیئے نہ اُن کو عموماً آلات لہو و طرب سمجھا جاتا ہے۔ ایسے آلات پر قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور اُس کا سننا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ آداب تلاوت کی پوری رعایت کی جائے۔ مثلاً جس مجلس میں تلاوت کی جارہی ہے وہ مجلس لہو و طرب

---

[1] یہ خلاصہ ہے اس تحقیق کا جو سیدی حضرت حکیم الامۃ تھانوی قدس سرہٗ نے اپنے رسالہ المقالات المفیدہ فی حکم الاصوات الجدیدہ میں تحریر فرمائی ہے ۱۲ محمد شفیع

لس نہ ہو۔ قاری ادب و احترام کے ساتھ ثواب سمجھ کر قراءت کرے۔ اور
مکبر الصوت، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ، مشین وغیرہ آلات بظاہر اسی قسم میں داخل
۔ اگرچہ ریڈیو کو استعمال کرنے والوں کی بد مذاقی نے زیادہ تر گانے بجانے
لغو چیزوں میں لگا رکھا ہے اسی وجہ سے بعض علماء نے اس پر تلاوت
ت کو درست نہیں سمجھا لیکن دوسرے مفید کام مثلاً دنیا کی خبریں۔ اور تلاوت
تفسیر قرآن اور دوسرے مفید مضامین کی بھی اس میں خاصی اہمیت پائی جاتی
اس لیے صحیح یہ ہے کہ اس کو آلات لہو و طرب کے حکم میں داخل نہیں کیا
سکتا۔ اور ریڈیو کی جس مجلس میں تلاوت ہوتی ہے وہ مجلس بھی لہو و لعب
لغو چیزوں سے الگ ہوتی ہے۔ اس لیے اس پر تلاوت قرآن فی نفسہ
ز ہے۔ ہاں تلاوت قرآن ریڈیو ہو یا اس سے علیحدہ کسی صورت میں
حال محض تلاوت پر معاوضہ لینا حرام ہے اور معاوضہ لے کر پڑھنا بھی
جائز اور اس کا سننا بھی درست نہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی نے اس مسئلہ کو اپنے رسالہ "شفاء العلیل"
ں پوری تفصیل کے ساتھ مع دلائل لکھ دیا ہے۔

یہاں معاوضہ کے جواز کی صرف دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) اول یہ کہ تلاوت کی ساتھ اس کا ترجمہ اور تفسیر بھی ہو تو پھر وہ
وتِ مجردہ نہ رہے گی تعلیم کی حیثیت اختیار کرے گی اس کا معاوضہ
جائز ہو گا۔

(۲) دوسرے یہ کہ ریڈیو کی ملازمت اختیار کرے وہاں جانے آنے
وقت کی پابندی وغیرہ کی تنخواہ لے اور تلاوت کو ثواب سمجھ کر کیا کرے۔

تنبیہ ضروری ریڈیو پر تلاوتِ قرآن کے معاملہ میں ایک

اور چیز بھی قابلِ نظر ہے وہ یہ کہ اگرچہ تلاوت کرنے والا جس مجلس میں تلاوت کر رہا ہے وہاں کوئی چیز احترامِ قرآن کے خلاف نہ ہو۔ مگر جہاں جہاں ریڈیو کی آواز سنی جاتی ہے اُن میں بکثرت ایسے مواضع ہوتے ہیں جن میں شور و شغب اور مختلف قسم کے کاروبار ہوتے رہتے ہیں جیسے عام ہوٹلوں اور بازاروں میں ہر طرح کی خرافات ہوتی رہتی ہیں اس میں ریڈیو سے قرآن کی تلاوت بھی ہوتی رہتی ہے، بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو قرآن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی مجالس میں قرآن سنانا بے ادبی اور ناجائز ہے جیسا کہ عالمگیری کتاب الکراہیۃ میں ہے:۔

ومن حرمة القرآن ان لا یقرء فی الاسواق وفی مواضع اللغو کذا فی القنیة (وفیہ قبل ذلک) وقد یاثم بہ رای بالذکر والتلاوۃ) اذا فعلہ فی مجلس الفسق وھو یعلمہ لما فیہ من الاستھزاء والمخالفة لموجبہ (عالمگیری طبع مصر ص۳۲۷ ج۵)

یعنی قرآن کے احترام میں یہ بھی داخل ہے کہ اُس کو بازاروں اور لغو مجلسوں میں نہ پڑھا جائے۔ اور پڑھنے والا گنا ہگار ہوگا اگر اُس نے کسی فسق و گناہ کی مجلس میں اس کو پڑھا بشرطیکہ اُس کا مجلس فسق ہونا اس کو معلوم ہو۔ کیونکہ ایسا کرنا درحقیقت قرآن کا استہزا کرنا اور قرآن کے منشاء کے خلاف کرنا ہے۔ اور شیخ الاسلام محی الدین نووی رح نے اپنے رسالہ "التبیان فی آداب حملة القرآن"، میں تحریر فرمایا ہے:۔

ومما یعتنی بہ ویتاکد الامر بہ احترام القرآن من امور قد یتساھل فیھا بعض القارئین الغافلین المجتمعین ضمن ذلک اجتناب الضحک واللغط والحدیث فی خلال القراءۃ الاکلاماً

ينظر اليه ومن ذلك العبث باليد او غيرها ومن ذلك النظر الى ما
ى ويبدد الذهن رص۱)

یعنی منجملہ ان چیزوں کے جن سے قرآن کا احترام ضروری ہے اور بہت
ے غافل قاری اُس میں تساہل کرتے ہیں ایک یہ ہے کہ مجلسِ تلاوت میں
ہنسی، ٹھٹھے اور فضول باتوں سے اجتناب کیا جائے اور تلاوت کے درمیان
ضرورتِ شدیدہ کلام کرنے سے نیز ہاتھوں یا دوسری چیزوں سے کھیلنے
ے پرہیز کیا جائے اور ایسی چیزوں پر نظر ڈالنے سے بچا جائے جن کی وجہ
ے ذہن منتشر ہو اور توجہ قرآن کی طرف نہ رہے۔

تصریحاتِ مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ لہو ولعب کی مجالس میں اور ایسے
واقع میں جہاں لوگ قرآن سننے کی طرف متوجہ نہ ہوں تلاوتِ قرآن کرنا گناہ
ناجائز ہے اور جب کہ ریڈیو کا اکثر ایسے مواقع میں استعمال کیا جانا معلوم
ہے تو ریڈیو پر تلاوتِ قرآن کرنے والا بھی ایک حیثیت سے اس گناہ کا
ریک ہو جاتا ہے۔

لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ایسی بھی ہے
قرآن کو قرآن ہی کی حیثیت سے سنتی اور اس سے فائدہ اٹھاتی ہے اور اُس
خاص اہمیت دیتی ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ریڈیو کا ادارہ کبھی اس کو اپنے
وگرام میں شامل نہ کرتا۔ اس لیئے تلاوت کرنے والے کے پیشِ نظر وہی
عرات ہو سکتے ہیں جو آداب کی رعایت کرتے ہیں۔ اس لیئے اصول و
اعد پر نظر کرنے کے بعد صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ بے جا اور غلط استعمال
نے کی ذمہ داری خود استعمال کرنے والوں پر ہے۔ تلاوت کرنیوالے
اس کا ذمہ دار نہیں کہا جا سکتا۔

ریڈیو سے تلاوتِ قرآن سننا

(۲) دوسرا سوال ریڈیو کی تلاوتِ قرآن سننے سے متعلق ہے اس کا
جواب ظاہر ہے کہ جس چیز کا پڑھنا جائز ہے اُس کا سننا بھی جائز ہے۔ البتہ
جیسے قاری پر لازم ہے کہ مجلس قراءت میں آدابِ قرآن کی پوری پابندی کرے
اسی طرح سننے والوں پر لازم ہے کہ ایسی مجلس میں ریڈیو نہ کھولیں جس میں عام لوگ
لہو ولعب یا شور وشغب یا اپنے کاروبار میں مشغول ہوں اور قرآن سننے کی طرف
متوجہ نہ ہوں ورنہ گناہگار ہوں گے۔ جب ریڈیو سے قرآن سننا ہی مقصود
ہو تو ادب کے ساتھ بیٹھکر سنیں۔ اور ان تمام آداب کی رعایت کریں جو تلاوتِ
قرآن کی مجلس کے لئے لازم ہیں۔ ایسا نہ کریں کہ ریڈیو کھول کر اپنے کاروبار میں
لگ جائیں اور چلتے پھرتے اُس کی آواز کان میں پڑتی رہے کیونکہ یہ ادب
کے خلاف ہے۔

ریڈیو پر آیتِ سجدہ کی تلاوت

(۳) تیسرا سوال اس کا ہے کہ اگر قاری نے ریڈیو پر کوئی آیتِ سجدہ پڑھی
تو سننے والوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں۔
یہ ظاہر ہے کہ یہ آلہ حال میں ایجاد ہوا ہے اس کا حکم صریح الفاظ میں تو
کتب فقہ یا نصوص کتاب وسنت میں ہو نہیں سکتا۔ قواعد واصول اور امثال
ونظائر ہی سے اس کا حکم دریافت کیا جاسکتا ہے فقہاء کے کلام میں اس
کی ایک نظیر یہ مذکور ہے کہ صوتِ صدیٰ یعنی آواز بازگشت جو کسی گنبد یا کنویں
وغیرہ میں سُنی جاتی ہے یہ آواز چونکہ خود متکلم کی اصلی آواز نہیں بلکہ اس کا عکس

ہے جو ایک غیر جاندار غیر ذی شعور چیز کے ذریعہ انسان تک پہونچا ہے اس لیئے فقہاء نے اس کو تلاوت قرار نہیں دیا اور وجوب سجدہ کے لیئے تلاوت صحیحہ شرط ہے۔ اس لیئے باز گشت کے ذریعہ آیتِ سجدہ سننے والوں پر سجدہ تلاوت واجب نہیں۔

فقہ کی نہایت مستند اور معروف کتاب بدائع الصنائع میں ملک العلماء نے پہلے تو یہ مسئلہ لکھا کہ وجوب سجدہ کے لیئے اہلیت نماز شرط ہے اس کی بناء پر یہ حکم لکھا کہ کافر، بچہ، مجنون، اور حیض و نفاس والی عورت پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا خواہ وہ خود پڑھیں یا کسی دوسرے سے سنیں۔ کیونکہ ان میں وجوب نماز کی اہلیت نہیں ہے۔ البتہ بے وضو مسلمان یا جنبی (یعنی جس پر غسل واجب ہو) یہ اگر آیت سجدہ کی تلاوت کرلیں یا کسی سے سن لیں تو ان پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔ وضو یا غسل کرنے کے بعد ادا کریں کیونکہ ان میں وجوبِ نماز کی اہلیت بالفعل موجود ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی کافر یا بچہ یا حیض و نفاس والی عورت آیتِ سجدہ پڑھے تو اگرچہ خود ان پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا مگر سننے والے بالغ مسلمانوں پر ان سے سن کر بھی سجدہ واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ تلاوت ان کی صحیح ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت تو صرف الفاظ سجدہ سننے سے واجب ہو جاتا ہے جو پوری آیت نہیں ہے اور ایک آیت سے کم کی تلاوت حیض و نفاس والی عورت کے لیئے جائز ہے۔ اور کافر اور بچہ کی تلاوت کا جائز ہونا تو ظاہر ہی ہے اس لیئے ان سب کی تلاوت کو تلاوتِ صحیحہ قرار دیا جائے گا۔ اور وجوب سجدہ کے لیئے تلاوتِ صحیحہ ہونا ہی شرط ہے لہذا سننے والوں پر سجدۂ تلاوت لازم ہوگا اس کے بعد دو چیزوں کا حکم اس سے مختلف یہ بیان فرمایا کہ

اُن میں سجدۂ تلاوت سننے والوں پر واجب نہیں ہے۔ اوّل کسی طوطے یا آواز بازگشت کے ذریعہ آیتِ سجدہ سننا کہ اس کو تلاوت ہی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ تلاوت کا تعلق قصد و شعور سے ہے اور طوطا یا جس گنبد وغیرہ سے بازگشت کی آواز آئی وہ نہ ذی شعور ہیں نہ تلاوت کا قصد وہاں پایا جاتا ہے۔ دوسرے مجنون کہ اگرچہ اُس کی فی نفسہٖ اہلیت کی بناء پر تلاوت تو مانی جائے گی مگر چوں کہ وہ اپنی اہلیت اور تمیز کو کھو چکا ہے اس لیے تلاوتِ صحیحہ نہیں ہوگی بہر صورت ان سے آیتِ سجدہ سننے والوں پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا۔ بدائع کے آخری الفاظ یہ ہیں:۔

بخلاف السماع من الببغاء والصدى فان ذلك ليس بتلاوة وكذا اذا سمع من المجنون لان ذلك ليس بتلاوة صحيحة لعدم اهليته لانعدام التمييز۔

(بدائع ص۱۸۶ ج۱)

بخلاف اس کے کہ آیتِ سجدہ کسی طوطے سے یا آواز بازگشت سے سنی جائے کیونکہ یہ تلاوت ہی نہیں۔ اسی طرح اگر کسی مجنون کی زبان سے آیتِ سجدہ سنی تو اگرچہ اُس کو تلاوت کہیں گے لیکن تلاوتِ صحیحہ نہیں کیونکہ عدم تمیز کی وجہ سے اس کی اہلیت فوت ہو چکی ہے۔

فقہاء کی مذکورہ بالا تصریحات سننے کے بعد مسئلہ زیر بحث پر غور کیا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ریڈیو یا آلہ مکبّر الصوّت کی آواز کو بھی اگر مصنوعی آواز مثل صوت صدیٰ کے قرار دیا جائے تو اس کے ذریعہ آیتِ سجدہ سننے والوں پر سجدۂ تلاوت واجب نہ ہو۔ اور اگر اُس کو متکلم کی اصلی آواز قرار دیا جائے تو سجدۂ سہو واجب ہو۔ اب یہ بات کہ یہ آواز اصلی ہے یا مصنوعی اس معاملہ میں سائنس جدید کے ماہرین کے اقوال خود مختلف ہیں بعض اس کو اصلی آواز قرار

دیتے ہیں اور بعض مصنوعی کہتے ہیں جس کی مکمل تفصیل احقر کے رسالہ مکبر الصوت میں مذکور ہے اس لیے سجدۂ تلاوت کے باب میں احتیاط اسی میں ہے کہ سجدہ کو واجب قرار دیا جائے۔ اس مسئلہ کی پوری تحقیق و تفصیل مطلوب ہو تو رسالہ مکبر الصوت میں دیکھ لیا جائے۔

ریڈیو پر درسِ قرآن سے پہلے سلام کرنے اور جواب دینے کا حکم

(۴) چوتھا سوال اس سے متعلق ہے کہ ریڈیو پر درسِ قرآن یا کوئی وعظ و تقریر نشر کرنے سے پہلے "السلام علیکم" کہنا کیسا ہے اور اس کا جواب دینا سننے والوں پر واجب ہے یا نہیں۔

اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ درسِ قرآن یا خطبہ یا وعظ کے شروع میں مخاطبین کو سلام کرنا سنت سے ثابت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تمام خطبات میں کہیں مذکور نہیں کہ خطبہ یا وعظ سے پہلے لوگوں کو سلام کرتے ہوں اسی طرح تمام علماء امت کا درسِ قرآن و حدیث وغیرہ میں یہ معمول نہیں رہا کہ درس سے پہلے لوگوں کو سلام کریں۔ اس لیے ریڈیو پر درس سے پہلے سلام کرنا سنتِ سلف کے خلاف ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابلِ ترک ہے کہ حکم شرعی کے مطابق سلام سننے والوں پر اُس کا جواب دینا واجب ہو جاتا ہے اور یہ واجب ادا جب ہو سکتا ہے جب جواب دینے والوں کا جواب سلام کرنے والا سُنے۔ یہاں اس کا امکان نہیں۔ اس لیے ایسے موقع پر سلام کرنا ہی عبث ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ کسی نے السلام و علیکم ریڈیو پر کہہ دیا تو سننے والوں پر

جواب دینا واجب ہے یا نہیں۔ تو مقتضیٰ قواعد کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واجب کی ادائیگی اس طرح کہ سلام کرنے والے کو اس کا جواب معلوم ہو جائے۔ سننے والوں کی قدرت میں نہیں اس لیئے وجوب جواب تو ساقط ہو جانا چاہیئے البتہ احتیاطاً جواب سلام دے دیں تو بہتر ہے کیونکہ یہ ایک کلمہ دعاء کا ہے اور دعاء غائبانہ بھی ہو سکتی ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

بندہ محمد شفیع عفاء اللہ عنہ
خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
شوال ۱۳۶۱ھ

ریڈیو پر تلاوتِ قرآن کے متعلق

علماء ازہر مصر کی رائیں:۔

مفتی دیار مصریہ شیخ عبدالمجید آفندی سلیم نے ریڈیو پر تلاوتِ قرآن کے جائز ہونے کا فتویٰ اس شرط کے ساتھ دیا کہ آدابِ قراءت محفوظ رہیں مثلاً جس مجلس میں پڑھا جائے وہاں لوگ خاموش ہو کر اُس کو سنیں اور قراءت بھی کسی ایسی مجلس میں نہ ہو جو لہو و لعب یا فسق و فجور کی مجلس ہو۔

شیخ کمال الدین ادھمی مصری نے اپنی کتاب "تحبیب المسلمین بکلام رب العالمین"، میں یہ فتویٰ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مفتی مصر نے جن شرائط کے ساتھ ریڈیو پر تلاوت کو جائز قرار دیا ہے وہ شرائط عام طور پر مفقود ہیں اس لیئے فتویٰ جواز کا خلاف واقع ہے۔

کیونکہ عام طور پر مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ ریڈیو قہوہ خانوں، ہوٹلوں، تفریح گاہوں میں لگے ہوتے ہیں لوگ اپنے لہو ولعب، شور وشغب، کاروبار، بلکہ فسق وفجور میں لگے ہوتے ہیں اور قرآن کی یہ آواز وہاں سنائی جاتی ہے جس میں بلاشبہ قرآن کی بے ادبی ہے۔

اور یہ بات بھی قابلِ نظر ہے کہ ادارہ ریڈیو کے ذمہ داروں کی نظر میں اصل مقصود تو وہ چیزیں ہیں جو عوام کی تفریحِ طبع کا کام دیں۔ ثانوی درجے میں قرارت یا کوئی دوسرا مفید مضمون اس میں لگا لیا جاتا ہے۔ اس لیئے ریڈیو پر تلاوتِ قرآن کرنے والا بھی اس گناہ کا شریک ہے جو لہو ولعب کی مجلسوں میں سننے سنانے والے کر رہے ہیں خصوصًا اگر قرارت کرنے والی کوئی عورت ہے تو یہ گناہ دوگنا ہو جاتا ہے کیونکہ عورت کی آواز بھی ستر میں داخل ہے

شیخ کمال ادھمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اسی رائے کا مندرجہ ذیل نظم میں بھی اظہار کیا ہے ؎

مَالِیَ وَمَا للرادیو وشرائہ — وَسَمَاعِ مَا قَدْ جَاءَ فِی آلَاتِہٖ

مجھے ریڈیو خریدنے اور اس کے آلات سے جو کچھ سنا جاتا ہے اسکے سننے سے کوئی واسطہ نہیں

وَاللہ لو اَعطوہ بالمجّان لی — وتکفّلوا بجمیع مصروفاتِہٖ

خدا کی قسم اگر لوگ مجھے ریڈیو مفت دیں اور اس کے تمام مصارف بھی اپنے ذمہ رکھیں

مَا کنت اَقبلہٗ ولا ارغب بہ — فالشر کل الشر فی طیّاتِہٖ

تو میں اس وقت بھی اُس کو قبول نہ کروں اور نہ اس کی طرف رغبت کروں کیونکہ اس کے اندر ساری خرابیاں موجود ہیں

صرفُ لمالٍ لیس فائدۃ بہ — وضیاع ما قد عزّ من اَوقاتہٖ

بے فائدہ مال خرچ کرنا اور اوقاتِ عزیز کو ضائع کرنا

وسماع أغنية يُهيّج سمعها   شهوات خالي الفكر من شهواته

اور ایسے گیت اور غزل سننا جس سے ایک خالی الذہن آدمی کی شہوات میں ہیجان پیدا ہوجائے

اما سوى هذا من القرآن دل   اداب فيه فليس من غاياته

اور اس کے علاوہ قرآن یا اخلاقی مضامین جو اس میں ہوتے ہیں وہ اصلی مقصود نہیں

بل انما جرته قافية لـه   وسواهما المقصود منه بذاته

بلکہ بطور قافیہ کے ان کو لگا دیا ہے اور اصلی مقصود دوسری ہی چیزیں ہیں

ولكم ارادوا طيه فتخوفوا   شَغبًا يَدِيْنُ اللهَ فِي اٰيَاتِه

بہت مرتبہ ریڈیو کے ادارہ نے یہ بھی ارادہ کیا کہ تلاوت قرآن کو اس میں سے نکالدیں مگر دیندار لوگوں کے خوف سے یہ کام نہیں کیا۔

فرأو مجاراة له ابقائه   لكنهم نقصوه من ساعاته

اس لیئے دیندار وں کے ساتھ مدارات کی خاطر اس کو جاری تو رکھا مگر اوقاتِ تلاوت کم کردیئے۔

الراديو شيئ عظيم نافع   للخلق لوراعوا جميل صفاته

ریڈیو فی نفسہ مخلوق کے لیئے بہت عمدہ نافع چیز ہے کاش کہ اس کے فوائد کی رعایت کی جاتی۔

اس کے بعد علامہ ادھمی نے تحریر فرمایا کہ ہم جو ریڈیو کی مخالفت کرتے ہیں اُس کا سبب یہ خرافات ہیں جن میں اُس کو اس کے ذمہ داروں نے لگا رکھا ہے۔ ورنہ یہ تو ایک بہترین نافع اور مفید ایجاد ہے جس سے دین و دنیا کے ہزاروں فوائد حاصل کیئے جا سکتے ہیں۔ آج بھی اگر اس کا استعمال عمومی طور پر صحیح اور جائز کاموں میں ہونے لگے تو پھر مخالفت کی کوئی وجہ نہیں۔ (تحبیب المسلمین، طبع مصر ص۱۱)۔

شیخ الازہر مصر کا فتویٰ

قاہرہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ "نور الاسلام" کی چوتھی جلد ص ۳۵۸ میں بھی اس مسئلہ کے متعلق ایک سوال اور شیخ الازہر کی طرف سے جواب حسب ذیل شائع ہوا ہے:۔

سوال:۔ ریڈیو پر قرآن پڑھنا کیسا ہے جبکہ عموماً اس کو لہو ولعب کی مجلسوں اور نامناسب مقامات میں سنا جاتا ہے۔

الجواب

ان الذی یسمع من الکلام بواسطة الرادیو ھو کلام المتکلم وصوت القاری ولیس صدی کلمات کالذی یسمع فی الجبال والصحاری وغیرھا۔ وعلیٰ ھذا یکون المسموع من الرادیو قرانا حقیقة فمتی کان القاری جالسا فی محل غیر ممتھن وکان فی قراءته مراعیا ما تجب مراعاته مستوفیا شروط القراءة ولیس فی قراءته خلل کانت قراءته جائزة والمسموع منه قرآنا۔

جو کلام ریڈیو کے ذریعہ سنا جاتا ہے وہ متکلم کا اصلی کلام اور قاری کی اصلی آواز ہے وہ آواز بازگشت نہیں جو پہاڑوں اور جنگلوں وغیرہ میں سنی جاتی ہے۔ اس بناء پر جو قرآن ریڈیو سے سنا جائے وہ حقیقتاً قرآن ہی ہے۔ تو جب قاری ایسی جگہ میں بیٹھا ہو جس میں قرآن کی بے ادبی نہیں اور اپنی قراءت میں تمام آداب تلاوت کی رعایت رکھی ہو اور اس کی قراءت میں بھی کوئی دخل نہ ہو تو اس کی قراءت جائز ہے اور جو کچھ اس سے سنا جاتا ہے وہ قرآن ہی ہے۔

سماعه جائز ومثاب عليه
اما اذا لم يستوف الشروط
كان جلس فى محل ممتهن
او اخل بشروط القراءة
او قصد من قراءته
اللهو واللعب فلا تجوز
ولا يضر القارى متى كان
مستوفيا الشروط
مراعيا لاحكام التجويد
وكان على الوصف الذى
قدمنا ان يسمع صوته
فى محل لا تجوز القراءة
فيه وعلى السامع
ان يستمع واذا وجد
من يشوش
نهاه من التشويش
انتهى۔

اس کا سننا جائز بلکہ باعث ثواب
ہے۔ ہاں اگر شرائط تلاوت کو پورا نہیں
کیا مثلاً کسی ایسی جگہ بیٹھ کر تلاوت
کی جس میں تلاوت کرنا قرآن کی بے
ادبی سمجھی جائے یا تلاوت کو بعض تفریح
اور مشغلہ کے طور پر کرے تو جائز نہیں
اور جب قاری نے آداب تلاوت
پورے کرکے تلاوت کی ہو تو یہ بات
اس کے لیے مضر نہیں کہ اس کی آو
کسی ایسی جگہ میں سنی جائے جہاں تلا
کرنا جائز نہیں (جیسے بازار اور لہو
لعب کے مواقع) بلکہ سننے وال
پر لازم ہے کہ وہ ریڈیو کو اسی وقت
استعمال کریں جبکہ تلاوت سننا
مقصد ہو اور اگر کوئی اس مجلس م
ذہن کو منتشر کرنے والی بات کر
تو اس کو منع کرنا چاہیئے۔

احقر نے بھی شروع رسالہ میں عرض کیا ہے بمقتضائے قواعد ریڈیو
والوں کی غلطی اور گناہ کا ذمہ دار قاری نہیں ہے بلکہ جو اس کو غلط مواق
استعمال کرتے ہیں وہ اس کے ذمہ دار ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
بندہ محمد شفیع عفا اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہوائی رویتِ ہلال کی شرعی حیثیت

اور آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ

۱۹۵۸ء کا واقعہ

کراچی میں ہلال رمضان پر بعض لوگوں نے ہوائی جہاز میں پرواز کر کے (چاند) دیکھنے کا اہتمام کیا اور اس رویت کی بنا پر کراچی میں روزہ کا اعلان ہو۔ اس پر اطرافِ پاکستان اور ہندوستان وغیرہ سے مختلف قسم کے سوالات آئے اور اہل علم نے اس پر اشکالات کا اظہار کیا اس لیئے مناسب معلوم ہوا کہ ہوائی رویتِ ھلال کی شرعی حیثیت کو واضح کر دیا جائے۔

اسلام ایک دینِ فطرت اور عالمگیر مذہب ہے اس کے احکام عالم، جاہل، خواندہ، ناخواندہ، مرد، عورت پر یکساں حاوی ہیں۔ اس کے احکام جس طرح حکماء و فلاسفر اور علماء محققین۔ امراء و سلاطین کے لیئے ہیں اسی طرح وہ جنگلوں اور پہاڑی دَرّوں میں رہنے والے وحشی انسانوں کے لیئے بھی اور ایسے لوگوں اور خطّوں کے لیئے بھی ہیں جن میں نہ جدید آلات میسّر ہیں نہ وہ ان کا استعمال کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف عباداتِ اسلامیہ میں اس کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ کم از کم عبادت اور عبادت گاہوں میں یکسانیت ہو، امیر و غریب کا امتیاز نہ ہو۔ ہر کلمہ گو مسلمان ایک ہی انداز سے عبادت کر سکے عبادت کے وقت ع "ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز" کا

منظر نظر آئے، حج میں لباس احرام کی یکسانیت، منیٰ، مزدلفہ، عرفات میں بلا امتیاز ایک ہی میدان میں قیام۔ نماز کی صفوف کی یکسانیت وغیرہ کھلے ہوئے شواہد ہیں۔ اس لیے اسلام میں تمام عبادات اور تمام اوامر و نواہی کی بنیاد ایسی سادگی پر رکھی گئی ہے جو ہر زمانہ، ہر ملک، ہر خطہ میں ہر مسلمان کو یکساں حاصل ہو، یہ نہ ہو کہ مالدار جدید آلات کے ذریعہ اپنی عبادات کو بہتر بنا سکیں، اور غریب عبادت میں بھی دیکھتے رہ جائیں اس لیئے اسلامی عبادات نہ فلسفۂ قدیم کی رہینِ منت تھیں نہ آج سائنس جدید اور اس کے مخترعہ آلاتِ جدیدہ کی محتاج ہیں نہ اس کے ادا کرنے میں کسی محقق، فلسفی یا ماہرِ ریاضیات و نجوم کی ضرورت ہے۔

سمتِ قبلہ کا استخراج فن ریاضی کا اور ہلال کے ذریعے مہینے کا شروع اور ختم فلکیات کا فنی مسئلہ تھا مگر نبی امی فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے مسلمانوں کو اس دھندے میں ڈالنے کے بجائے ان دونوں کے لیئے یہ ہدایات دیں کہ فنی باریکیوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں سرسری اور نظری طور پر ان کا تعین کر لینا کافی ہے رویتِ ہلال کے متعلق ارشاد ہے:۔

صوموا لرویته وافطروا لرویته فان غم علیکم فاقدروا ثلثین (رواہ مسلم)

چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو (اگر ابر وغیرہ کی وجہ سے) اشتباہ ہو جائے تو مہینہ تیس دن کا قرار دو۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ ریاضی کی تدقیقات اور ہیئت و نجوم کے حسابات سے بےخبر ہر شہر کا آدمی سادہ طور پر اپنی جگہ پر چاند دیکھنے کی کوشش کرے۔ چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرکے مہینہ ختم کرلیں

چاند دیکھنے کے لیے اہتمام بھی صرف اتنا کہ کسی ایسی جگہ جہاں مطلع قمر میں کوئی حائل نہ ہو کھڑے ہو کر دیکھ لیں اس سے زیادہ اہتمام کو بھی پسند نہیں فرمایا۔
عہد رسالت میں مانا کہ ہوائی جہاز نہ تھے مگر مدینہ میں سلع پہاڑ سامنے کھڑا اس کے اوپر کچھ آبادی بھی ہے۔ جبلِ احد بھی ساتھ لگا ہوا ہے۔ مکہ معظمہ تو ہر طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ صفا اور مروہ کی پہاڑیاں اور جبلِ قبیس بالکل شہر سے لگے ہوئے ہیں۔ لیکن عہد رسالت میں پھر خلافتِ راشدہ قرونِ خیر میں کہیں نظر سے نہیں گذرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اتنا اہتمام فرمایا ہو کہ لوگوں کو ان پہاڑوں کے کسی اونچے مقام پر چڑھ کر دیکھنے کے لیے بھیجا ہو اس طرح اس عہدِ مبارک میں اگر ہوائی جہاز اور ٹیلیفون نہ تھے تو تیز رفتار سانڈنیاں موجود تھیں جو ایک رات دن میں دور کی خبریں بلکہ شہادتیں لا سکتی تھیں۔
مگر حکیم الحکما صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی پسند نہ کیا کہ سانڈنی سوار مکہ سے مدینہ یا رابغ وغیرہ کی خبریں بہم پہنچائیں۔
شام اور مصر فتح ہونے کے بعد کوئی مشکل نہ تھی کہ وہاں کی شہادتیں ہر سانڈنی سواروں کے ذریعہ مدینہ طیبہ میں جمع کر لی جائیں۔ مگر کہیں نظر سے گذرا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا اہتمام فرمایا ہو، ان کا یہ طرزِ عمل اس کی علامت ہے کہ ان معاملات میں زیادہ اہتمام اور کاوش ان حضرات کو پسند ہی نہ تھی یہ احتمال ان خیار الخلائق کے بارے میں نہیں ہو سکتا کہ پسندیدہ عمل ہونے کے باوجود سستی سے اس پر عمل نہ کیا ہو۔
رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی اس عملی تعلیم کا حاصل یہی تھا کہ لوگ سادگی کے ساتھ اپنی اپنی جگہ چاند دیکھنے کی کوشش کریں۔ نظر نہ

آئے تو جھبغرتیس دن کا سمجھیں اتفاقی طور پر کسی دوسرے مقام کی شہادت آجا
تو اس کو قبول کریں نہ آئے تو خواہ مخواہ خبریں اور شہادتیں بہم پہنچانے کی فکر میں
عہدِ رسالت اور خلافتِ راشدہ اور قرونِ خیر کے اس تعامل کی بنا
ہمارے نزدیک کسی طرح مستحسن اور پسندیدہ نہیں کہ ہوائی جہازوں میں اُڑ
چاند دیکھنے کا اہتمام کیا جائے ؎ ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

تنبیہ :۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اتفاقی طور پر کوئی ہوائی جہاز کا مسا
چاند دیکھ لے اور اگر شہادت دے تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے کیو
اُس کی شہادت کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ نیچے کی ہوا میں گرد و غبار
بخارات کی وجہ سے مستبعد نہیں کہ چاند نظر نہ آئے اور بلند جگہ پر ہوا صاف
ہونے کی وجہ سے نظر آجائے کما قال الشامی و قد یری الھلال من ا
الاماکن مالا یری من الاسفل فلا یکون تفردہ بالرویۃ خلاف الظ
(ص۱۲۷ ج ۱)۔ شرط یہ ہے کہ ہوائی پرواز اتنی اونچی نہ ہو جہاں تک زمین والو
کی نظریں پہونچ ہی نہ سکیں کیونکہ شرعاً رویت وہی معتبر ہے کہ زمین پر رہنے و
اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ سکیں اس لیئے اگر بیس تیس ہزار فٹ کی بلند
پر پرواز کر کے کوئی شخص چاند دیکھ آئے تو اس بستی کے لیئے وہ رویت
معتبر نہیں جس کے عام انسان باوجود مطلع صاف ہونے کے اُس کو نہیں دیکھ

تمام شہروں میں رمضان یا عید ایک ہی دن کرنیکا کوئی شرعی اجر نہیں

تمام شہروں میں ایک ہی دن رمضان یا عید منانا نہ مسلمانوں پر لازم ہے
نہ اس کے اہتمام میں پڑنا کوئی اسلامی خدمت یا شرعی اجر ہے اور نہ عا
ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ مغربی اور مشرقی ممالک میں مسافتِ طویلہ کے بعد اختلا

مطالع کا وجود یقینی اور اس کا اعتبار جمہور کے نزدیک ثابت ہے اسی لیۓ عہد صحابہ میں رمضان و عید مدینہ میں کسی روز، مکہ میں کسی روز، شام میں کسی دن عراق و مصر میں کسی دن ہوتی تھی ان سب شہروں میں ایک ہی دن رمضان یا عید منانے کا جو اہتمام اس زمانہ میں ممکن تھا حضرات صحابہ و تابعین نے اس کا کبھی اہتمام نہیں فرمایا۔

حضرت کریبؓ کا واقعہ صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ وہ مدینہ سے شام حضرت معاویہ رضؓ کے پاس گۓ تھے۔ وہاں رمضان کا چاند جمعہ کی شب میں دیکھا اور سب نے جمعہ کا پہلا روزہ رکھا۔ کریبؓ جب واپس مدینہ تشریف لاۓ تو حضرت عبداللہؓ ابن عباس رضؓ نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے رمضان کا چاند کس روز دیکھا تھا انھوں نے عرض کیا کہ جمعہ کی شب میں۔ فرمایا کہ آپ نے خود دیکھا تھا عرض کیا کہ ہاں میں نے بھی دیکھا۔ اور حضرتِ معاویہ رضؓ اور سب مسلمانوں نے بھی دیکھا اور سب نے جمعہ کا روزہ رکھا۔

ابن عباس رضؓ نے فرمایا لیکن ہم نے (یعنی اہلِ مدینہ نے) تو شنبہ کی رات میں چاند دیکھا ہے۔ اس لیۓ ہم تو اس وقت تک روزہ رکھیں گے جب تک یہاں چاند نظر نہ آۓ یا تیس دن پورے ہو جائیں۔ حضرت کریبؓ نے عرض کیا (کیا آپ کے لیۓ حضرت معاویہ رضؓ اور سب مسلمانوں کی رویت کافی نہیں تو فرمایا کہ ہمیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا ہے (مسلم شریف ص ۳۴۳ ج ۱)

حضرت ابن عباس رضؓ کا یہ فیصلہ خواہ اس بنا پر ہو کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار کر کے ملکِ شام کی رویت کو اہلِ مدینہ کے لیۓ کافی نہیں سمجھا یا اس بنا پر کہ شہادت دینے والے تنہا حضرت کریبؓ تھے اور ایک آدمی کی شہادت

عید کرنے کے لیئے کافی نہ سمجھی گئی۔ بہر حال اس واقعہ سے اتنا ضرور ثابت ہوا کہ صحابہ کرام اس فکر میں نہ رہتے تھے کہ سب جگہ عید یا رمضان ایک ہی دن میں کیا جائے اور اس کے لیئے شہادتیں بہم پہنچانے کی فکر کریں ورنہ کیا مشکل تھا کہ پورے ماہِ رمضان میں مدینہ کے لیئے شام کی باقاعدہ شہادت حاصل کر لی جاتی۔

مسئلہ رویتِ ہلال کے متعلق پوری تحقیق اور مسائل معلوم کرنا ہوں تو احقر کا رسالہ "رویتِ ہلال" مطالعہ کیا جائے۔ یہاں اُس کا صرف اتنا حصہ نقل کیا جاتا ہے جو آلاتِ جدیدہ سے متعلق ہے۔

ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ

مسئلہ ہلال کے تمام ضروری پہلوؤں کی وضاحت کے ضمن میں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آلاتِ جدیدہ ریڈیو، ٹیلیفون، ٹیلیویژن۔ لاسلکی۔ وائرلیس۔ ٹیلی گرام وغیرہ کے ذریعہ آنے والی خبروں کا درجہ اور مقام شرعی حیثیت سے کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) ہلالِ رمضان کے علاوہ عید، بقرعید یا کسی دوسرے مہینہ کے لیئے ثبوتِ ہلال باقاعدہ شہادت کے بغیر نہیں ہو سکتا اور شہادت کے لیئے شاہد کا حاضر ہونا لازمی ہے۔ غائبانہ خبروں کے ذریعہ شہادت ادا نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ قدیم طرز کے آلاتِ خبر رسانی خط وغیرہ ہوں۔ یا جدید طرز کے ریڈیو ٹیلیفون وغیرہ۔

(۲) البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے

تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اُس شہر اور اس کے مضافات ودیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے۔ شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے اور اس کے نشر کرنے میں پوری احتیاط سے کام لے جن الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہے وہ الفاظ بعینہٖ نشر کیے جائیں جس ریڈیو میں ایسی احتیاط کی پابندی نہ ہو اُس کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا کسی کے لیئے درست نہیں۔

اور جس طرح ایک شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی کا فیصلہ اس شہر اور اُس کے مضافات کے لیئے واجب العمل ہے اسی طرح اگر کوئی قاضی یا مجسٹریٹ یا ہلال کمیٹی پورے ضلع یا صوبہ یا پورے ملک کے لیئے ہو تو اس کا فیصلہ اپنے حدود ولایت میں واجب العمل ہوگا۔ اس لیئے جو فیصلہ پاکستان میں صدر مملکت کی طرف سے ریڈیو پر نشر کیا جائے اور اس میں مذکور الصدر احتیاط سے کام لیا گیا ہو وہ پورے ملک کے لیئے نافذ العمل ہو سکتا ہے بشرطیکہ کوئی علاقہ ایسا نہ ہو جہاں اختلافِ مطالع کا اعتبار کرنا مذکورہ تحقیق کے مطابق ضروری ہو۔

(۳) اسی طرح استفاضۂ خبر جس کی تعریف اور تحقیق رسالہ رویت ہلال میں مذکور ہے اُس میں بھی اُن آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر ملک کے مختلف حصّوں اور سمتوں سے دس بیس ریڈیو اور ٹیلیفون۔ ٹیلیویژن یا خط وغیرہ کے ذریعہ چاند خود دیکھنے والوں کی طرف سے اطمینان بخش خبریں آجائیں تو اُن پر اطمینان کیا جا سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ خبر دینے والے کی شناخت پوری ہو جائے اور وہ یہ بیان کریں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے۔ یا یہ

کہ ہمارے سامنے فلاں شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی کے سامنے شہادت پیش ہوئی اُس نے شہادت کا اعتبار کر کے چاند ہونے کا فیصلہ کر دیا۔ (شامی ص ۱۵۱ ج ۲)

محض ایسی مبہم خبر کہ فلاں جگہ چاند دیکھا گیا ہے استفاضہ خبر کے لیے کافی نہیں

(۴) رمضان کے چاند میں چوں کہ شہادت یا استفاضہ خبر دونوں شرط نہیں ہیں ایک ثقہ مسلمان کی خبر بھی کافی ہے۔ اس لیے خط اور آلاتِ جدیدہ کی خبروں پر اس شرط کے ساتھ عمل کرنا درست ہے کہ خبر دینے والے کا خط یا آواز پہچانی جائے اور وہ بچشم خود چاند دیکھنا بیان کرے اور جس کے سامنے یہ خبر بیان کی جا رہی ہے وہ اس کو پہچانتا ہے اور اس کی شہادت کو قابلِ اعتماد سمجھتا ہو۔

ٹیلی گرام اور وائرلیس سے آئی ہوئی خبروں میں چونکہ خبر دینے والے کی شناخت نہیں ہو سکتی اس لیے محض ایسی خبروں سے ہلال ثابت نہیں ہوگا۔ البتہ ٹیلیفون، ٹیلیویژن، ریڈیو پر آواز کی شناخت ہو جاتی ہے اور یہ پہچانا جا سکتا ہے تو جب یہ معلوم ہو کہ خبر دینے والا کوئی ثقہ مسلمان عاقل و بالغ اور بینا ہے اور خود اپنے چاند دیکھنے کی خبر دے رہا ہے رمضان کا اعلان کرایا جا سکتا ہے۔ اور خبر دینے والے پر مکمل اعتماد نہ ہو تو رمضان کا اعلان کرانا بھی درست نہیں۔ اور ثبوت رمضان کے لیے حکمِ حاکم یا فیصلۂ قاضی بھی شرط نہیں عام آدمی جب کسی معتمد ثقہ مسلمان عاقل بالغ بینا سے یہ خبر سنیں کہ اُس نے چاند دیکھا ہے تو اُن پر روزہ رکھنا لازم ہو جاتا ہے خواہ کوئی قاضی یا عالم یا ہلال کمیٹی فیصلہ دے یا نہ دے۔ (عالمگیری صفحہ ۱۲۷ ج ۱)

بندۂ ناکارہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ وفقہ لما یحب ویرضیٰ۔ ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۸۰ھ

التبیان

لحکم التداوی بدم الانسان

مریض کے بدن میں انسانی خون کا استعمال

اور اس سے متعلقہ مسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج کل بہت کمزور مریضوں کے علاج کا ایک نیا طریقہ یہ نکلا ہے کہ کسی انسان کے بدن کا خون بذریعہ انجکشن نکال کر محفوظ کر لیا جاتا ہے پھر یہ خون بذریعہ انجکشن مریض کے بدن میں چڑھایا جاتا ہے جس سے جاں بلب مریض کو فوری قوت پہونچ جاتی ہے۔ اس کے متعلق مختلف قسم کے سوالات بکثرت آتے رہتے ہیں مناسب معلوم ہوا کہ ان میں سے اہم سوالات کے جواب یہاں لکھ دیئے جاویں

سوال (۱) کیا کسی انسان کا خون بضرورتِ مرض دوسرے انسان کے بدن میں پہنچانا جائز ہے؟

الجواب:۔ اصل حکم تو یہ ہے کہ خون نجاستِ غلیظہ ہے اور نجاست کا استعمال خارج بدن میں بھی حرام ہے داخل بدن میں بدرجۂ اولیٰ حرام ہے کما صرح بہ فی الدر المختار ورد المحتار من فصل الانجاس۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ کرام نے ناپاک چربی کشتیوں

• اور چمڑوں وغیرہ میں استعمال کرنے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا حرام ہے۔
(صحیح بخاری)

اس کے علاوہ انسانی خون انسان کا جزء ہے اور اجزاء انسانی کا استعمال کرنا مطلقاً حرام ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔ الانتفاع باجزاء الآدمی لم یجز قیل للنجاسة وقیل للکرامة وهو الصحیح کذا فی جواهر الاخلاطی یعنی آدمی کے کسی جزء کا استعمال جائز نہیں اور اس کی وجہ اور علت میں دو قول ہیں بعض نے فرمایا کہ ناپاک ہونے کی وجہ سے اور بعض نے فرمایا کہ انسان کی شرافت اور تکریم کی وجہ سے پہلی وجہ کی بنا پر تو انسانی اجزاء میں سے صرف وہی چیز حرام ہوگی جو نجس ہو جیسے خون یا جیسے بدن کا کٹا ہوا ٹکڑا یا کھال وغیرہ اور دوسری وجہ کا اثر یہ ہوگا کہ جو چیزیں نجس نہیں۔ مثلاً ناخن، بال وغیرہ اُن کا استعمال بھی جائز نہیں ہوگا۔ اور عالمگیری میں یہ دونوں وجہ ذکر کرکے دوسری ہی وجہ کو صحیح قرار دیا ہے اور عام فقہاء نے اسی کو اختیار کیا ہے اسی لیئے انسان کے بالوں سے کوئی چیز بنا کر استعمال کرنے کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ خصوصاً انسان کے بدن کا کوئی حصہ اُس کے بارے میں تو عالمگیری نے فتاویٰ قاضی خاں سے یہ نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص بھوک سے مر رہا ہو اور کوئی مردار چیز بھی نہیں ملتی جس کو کھا کر جان بچالے ایسی حالت میں اگر اس کو کوئی شخص یہ کہے کہ تو میرا ہاتھ یا بدن کا کوئی اور ٹکڑا کاٹ کر کھالے میں تجھے اجازت دیتا ہوں۔ تو نہ اس شخص کے لیئے ایسا کرنا جائز ہے اور نہ اُس شخص کے لیئے یہ جائز ہے کہ اپنے بدن کا گوشت دوسرے کو کھلا دے۔ عبارت عالمگیری کی یہ ہے:۔ مضطر لم یجد میتة وخاف الهلاك فقال له رجل اقطع یدی وکلها او قال اقطع منی قطعة وکلها لا یسعه ان یفعل

ذلک ولا یصح امرہ بہ (عالمگیری) باب گیارہ ج۵ ص۳۷۲ طبع مصر

یہ جزئیہ فقہیہ بالکل مسئلہ زیر بحث کی نظیر ہے کہ ایک انسان کی جان بچانے کے لیئے کوئی انسان اپنے بدن کا خون اپنی مرضی سے دینا چاہتا ہے مگر اس کو مذکورہ تصریح کی انسانی جزء ہونے کی وجہ سے یہ جائز نہیں۔

یہ حکم تو اصل مسئلہ کا ہے لیکن علاج و دوا کے لیئے بعض فقہاء نے خاص اضطرار کی حالت میں حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت دی ہے۔ درمختار، شامی، وغیرہ میں اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ شرط یہ ہے کہ کسی مسلمان ڈاکٹر یا طبیب کی تجویز سے یہ معلوم ہو کہ اس حرام چیز کے سوا کوئی دوسرا علاج ممکن نہیں اور اس کے استعمال سے بغالب ظن تندرستی کی امید ہے (شامی آخر باب المیاہ قبل فصل البیر)

اس فتویٰ پر بھی عالمگیری کی مذکورہ تصریح سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ انسانی خون کو دوسری حرام چیزوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن عالمگیری کی مذکورہ تصریح میں ایک ایسے عضو انسانی کا ذکر ہے جس کے قطع کرنے سے اس انسان کو نہایت سخت تکلیف پہونچے گی جس سے بعض اوقات اس کی جان کا بھی خطرہ ہو سکتا ہے اور خون لینے کا جو طریقہ رائج ہے اُس سے انسان کو کوئی ایسی تکلیف لاحق نہیں ہوتی، معمولی کمزوری ہوتی ہے جو چند روز کے علاج سے دفع ہو جاتی ہے۔ اس فرق کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ بطور علاج و دوا ایسے حالات میں جبکہ کسی مسلمان ڈاکٹر یا طبیب کے کہنے کے مطابق اور کوئی دوا کارگر نہ ہو اور خون دینے سے جان بچنے کی قوی امید ہو تو صرف ایسے حالات میں خون دے کر علاج کیا جا سکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سُوال (۲)۔ اگر بیوی کا خون شوہر کے جسم میں یا شوہر کا بیوی کے جسم میں داخل کیا جائے تو اس سے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب :- اس کا صریح حکم ظاہر ہے فقہاء کے کلام میں نہیں مل سکتا کیونکہ یہ طریقہ علاج اُن کے زمانہ میں رائج نہیں تھا لیکن ایک نظیر سے اس کا حکم سمجھا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ بچہ کو کسی عورت کا دودھ پلانے سے یہ بچہ مثل اپنے بچہ کے اس عورت کے لیئے ہوجاتا ہے اور یہ رضاعی ماں بیٹے کہلاتے ہیں جس کی وجہ یہی ہے کہ دودھ جب اس کے بدن کا جزء تو یہ اس بچہ کی ماں ہوگئی لیکن باتفاق فقہاء یہ حرمتِ رضاعت صرف اُس زمانہ کے ساتھ محدود ہے جبکہ بچہ کوئی دوسری غذا کھانے کے قابل نہ ہو یعنی زیادہ سے زیادہ ڈھائی سال کی عمر تک اس کے بعد اگر کوئی عورت اس کو اپنا دودھ پلا دے تو اُس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اب اُس کی غذا اور نشوونما کا مدار اس دودھ پر نہیں رہا۔ اسی طرح جب میاں بیوی میں سے ایک کا خون دوسرے کے بدن میں ایسے وقت پہونچایا گیا ہے جب کہ اس کے بدن کا نشوونما اس خون پر موقوف نہیں بلکہ وقتی طور پر سہارا دینے کے لیئے دیا گیا ہے تو اس خون کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے لیئے جزئیت کا رشتہ قائم نہیں ہوگا۔ اس لیئے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ احتیاطاً دوسرے علماء سے بھی دریافت کرلیا جائے تو بہتر ہے۔

خون کے ذریعہ علاج کرنا مذکور الصدر وجوہ کی بناء پر اگر جائز بھی کہا جائے تب بھی اس میں اور بہت سے مفاسد ہیں کیونکہ انسانی اجزاء دوسرے بدن میں منتقل ہوکر اُس کے اخلاق و عادات کا اثر ساتھ لائیں گے۔ کسی کافر یا فاسد الاخلاق کا خون دیا گیا تو اُس کے آثار منتقل ہونا ظاہر ہے اس لیئے بہتر یہ ہے کہ اس سے احتیاط ہی کی جائے اور اگر دینا ہی ناگزیر ہو تو اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ اُس خون کے ذریعے بُرے اخلاق اس طرف

منتقل ہونے کی صورت نہ پیدا ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ دار العلوم کراچی ۱۴
۷ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ

خیر الکلام فی حوض الحمام

پائپ سسٹم کی ٹنکیوں کے پاک ناپاک ہونیکے احکام

یعنی

گھریلو حوضیں اور ٹنکیاں جن سے عموماً گھروں کے غسلخانوں وغیرہ میں پانی پہنچتا ہے اُن کے پاک کرنے کا طریقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال:- آج کل عام شہروں میں گھروں کے اندر غسل خانوں وغیرہ میں پانی پہنچانے کے لیئے پائپ سسٹم کا رواج ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ سرکاری پانی کا پائپ ہر مکان میں پہنچا دیا جاتا ہے، مکان والا اس پانی کو جمع رکھنے کے لیئے ایک حوض زمین دوز بناتا ہے جو گھر میں پانی کا خزانہ ہوتا ہے پھر ہینڈ پمپ وغیرہ کے ذریعہ اس کا پانی عمارت کی سب سے اونچی سطح پر رکھی ہوئی ٹنکی میں پہنچا دیا جاتا ہے پھر اس ٹنکی سے پائپ کے ذریعہ یہ پانی مکان کے مختلف حصوں اور غسلخانوں میں پہنچایا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ایسی حوض یا

ٹنکی میں جو عموماً دہ در دہ سے بہت کم ہوتی ہے کوئی ناپاکی گر جائے تو اس کا پانی ناپاک ہو جائے گا یا نہیں، اور اگر ناپاک ہو جائے تو ان کے پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے کیا اُن کو عام برتنوں کی طرح ایک مرتبہ یا تین مرتبہ پانی ڈالکر دھویا جائے، یا کوئی دوسری آسان صورت بھی اس کے پاک کرنے کی ہو بینوا توجروا

الجواب: اگر نیچے کی حوض یا اُوپر کی ٹنکی میں نجاست ایسی حالت میں گری ہو کہ اُس کا پانی دونوں طرف سے جاری ہے مثلاً سرکاری پانی حوض میں آرہا ہو اور حوض کا پانی بذریعہ پائپ اوپر چڑھایا جارہا ہے یا چھت کی ٹنکی میں ایک طرف پائپ کے ذریعہ پانی چڑھایا ہے اور دوسری طرف پائپ کے ذریعہ غسلخانہ وغیرہ میں پانی نکالا جارہا ہے۔ تو اکثر فقہاء کرام کے نزدیک یہ حوض یا ٹنکی اس وقت بحکم آب جاری ہو جانے کی وجہ سے ناپاک ہی نہ ہوگی۔

(کما سیأتی فی الروایۃ الاولیٰ من شرح المنیۃ)

اور اگر حوض یا ٹنکی کا پانی دونوں طرف سے جاری نہ ہو، دونوں طرف یا کسی ایک طرف سے بند ہو تو اکثر فقہاء کے نزدیک یہ حوض اور ٹنکی ناپاک ہو جائے گی، پھر ناپاک ہونے کے بعد اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو نجاست گری ہے اگر وہ کوئی ذی جرم ہے یعنی محسوس جسامت رکھتی ہے تو پہلے اُس نجاست کو ٹنکی میں سے نکال دیا جائے پھر اس کو دونوں طرف سے جاری کر دیا جائے یعنی جس حوض یا ٹنکی میں نجاست گری ہے اُس کے ایک طرف سے پانی داخل کیا جائے اور دوسری طرف سے نکالا جائے تو دوسری طرف سے پانی نکلتے ہی یہ حوض اور ٹنکی اور اُن کے پائپ سب پاک ہو جائیں گے۔ یہ ضروری نہیں کہ کوئی خاص مقدار پانی کی نکل جانے کے بعد پاک قرار دیا جائے۔ البتہ بعض فقہاء کے نزدیک تین مرتبہ اور بعض

ہاں ایک مرتبہ حوض یا ٹنکی کا پانی بھر کر نکال دینا ضروری ہے (کما سیاتی فی الروایۃ الثانیۃ من شرح المنیۃ)

اس لیئے احتیاط اس میں ہے کہ ایک طرف سے پاک پانی داخل کر کے دوسری طرف سے اتنا پانی نکالدیا جائے جتنا کہ وقوع نجاست کے وقت اس حوض یا ٹنکی میں موجود ہے، اُس کے بعد حوض، ٹنکی اور اُس کے پائپ کو پاک سمجھا جائے۔ اور اگر تھوڑا سا پانی نکل جانے کے بعد بھی استعمال کر لیا جائے تو قول مختار کے موافق گنجائش ہے۔

عباراتِ فقہاء مسائلِ مذکورہ کے متعلق حسبِ ذیل ہیں

(۱) فی شرح المنیۃ عن فتاوی قاضی خان - فان ادخل یدہ فی الحوض وعلیھا نجاسۃ ان کان الماء ساکنا لا یدخل فیہ شیء من الانبوبۃ ولا یغترف انسان بالقصعۃ تنجس ماء الحوض وان کان الناس یغترفون من الحوض بقصاعھم ولا یدخل من الانبوب ماء او علی العکس اختلفوا فیہ واکثرھم علی انہ یتنجس ماء الحوض وان کان الناس یغترفون بقصاعھم ویدخل فیہ من الانبوب اختلفوا فیہ واکثرھم علی انہ لا یتنجس - انتہی فھذا ھو الذی ینبغی ان یعتمد علیہ (شرح منیہ ص۹۹)

(۲) قال فی شرح المنیۃ فان دخل الماء من جانب حوض صغیر کان قد تنجس ماءہ فخرج من جانب قال ابوبکر بن سعید الاعمش لا یطھر مالم یخرج مثل ما کان فیہ ثلث مرات فیکون ذلک غسلا لہ کالقصعۃ حیث تغسل اذا تنجست ثلاث مرات وقال غیرہ

لا يطهر مالم يخرج مثل ما كان فيه مرة واحدة - وقال ابو جعفر الهندوانی يطهر بمجرد الدخول من جانب والخروج من جانب وان لم يخرج مثل ما كان فيه وهو اى قول الهندوانی اختار صدر الشهيد حسام الدين لانه حينئذ يصير جاريا والجاری لا يتنجس مالم يتغير بالنجاسة و الكلام فی غير المتغير انتهى (شرح المنية ص۹۹)

تنبیہ

اس جگہ علامہ شامی کی بعض روایات سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ چھوٹی حوض یا ٹنکی کو پاک کرنے کا طریقہ جو یہ بتلایا گیا ہے کہ اُس کے پانی کو دوسری طرف سے جاری کر دیا جائے اس میں جاری کرنے کی معتبر صورت یہ ہے کہ حوض یا ٹنکی کو بھر کر اُس کے کناروں سے پانی بہا دیا جائے۔ اور اگر تلی میں سُوراخ کر کے یا پائپ لگا کر نکالا جائے تو وہ جاری پانی کے حکم میں نہیں ہوگا۔

حيث قال ثم ان كلامهم ظاهرة ان الخروج من اعلاه - فلو كان يخرج من ثقب فی اسفل الحوض لا يعد جاريا لان العبرة لوجه الماء بدليل اعتبارهم فی الحوض الطول والعرض لا العمق (الی قوله) ولم ار المسئلة صريحا نعم رئيت فی شرح سيدی عبد الغنی فی مسئلة خزانة الحمام اخبر ابو يوسف برؤية فارة فيها - قال فيه اشارة الى ان ماء الخزانة اذا كان يدخل من اعلاها ويخرج من الانبوب فی اسفلها فليس بجار انتهى۔

وفی شرح المنية يطهر الحوض بمجرد ما يدخل الماء من الانبوب ويفيض من الحوض هو المختار لعدم تيقن بقاء النجاسة فيه وصيرورته جاريا اھ وظاهر التقليل الاكتفاء بالخروج من

الاسفل لکنہ خلاف قولہ یفیض فقائل و راجع انتھی (رد محتار ص۱۳۰ ج۱)

لیکن اوّل تو خود علامہ شامی رحؒ نے اس مسئلہ کو شک و تردّد کے ساتھ لکھا اور پھر شرح منیۃ کی عبارت سے اس پر استدلال بھی کیا کہ اوپر سے بہنے اور نیچے سے نکلنے کا حکم ایک ہی ہونا چاہیئے۔ اگرچہ اس استدلال پر ایک شبہ بھی ظاہر کر دیا۔ تاہم اتنا تو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ ائمہ کی طرف سے منصوص نہیں، متاخرین کا استنباط ہے اور اس میں بھی دو رائیں ہو سکتی ہیں۔

سو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل بنیاد اس مسئلہ کی اس پر ہے کہ حوضوں کے بڑے چھوٹے ہونے میں اُن کے طول و عرض کا اعتبار ہے عمق کا اعتبار نہیں جیساکہ درمختار وغیرہ میں تصریح ہے کہ اگر کوئی حوض اوپر سے بڑا یعنی دہ در دہ ہو اور عمق میں اس کا رقبہ اس سے کم ہو تو اُس کو حوض ہی سمجھا جائے گا جو بحکم آب جاری ہوتا ہے۔

ولفظ الدر مختار۔ ولو اعلاہ عشر و اسفلہ اقل جاز حتی یبلغ الاقل ولو بعکسہ فوقع فیہ نجس لم یجز حتی یبلغ العشر، ولو جمد ماءہ فثقب ان الماء منفصلا عن الجمد جاز لانہ کالمستقف وان متصلا لا۔ (از شامی ص۱۲۹ ج۱)

اور علت اس مسئلہ کی وہ ہے جو علامہ شامی رحؒ نے اسی عبارت درمختار سے کچھ پہلے لکھا ہے لان الاستعمال من السطح لا من العمق یعنی استعمال کرنے والا پانی کو حوض کی سطح اعلیٰ سے لے کر استعمال کرتا ہے جب وہ دہ در دہ سے کم ہو اور اس میں نجاست گر جائے تو پانی کو ناپاک سمجھا جائے گا اگرچہ یہ حوض عمق کی جانب سے وسیع ہو اور وہ دہ در دہ سے بھی زائد ہو۔

اور اسی پر اس مسئلہ کی تفریع ہے کہ بڑی حوض کی سطح پر برف جما ہوا ہو

اُس کو توڑ کر کچھ حصّہ پانی کا کھول لیا جائے اگر یہ برف پانی سے متصل ہے اور اس پانی میں نجاست گر جائے تو چونکہ پانی لینے کی جگہ آب قلیل ہے اس لیئے اُس کو ناپاک کہا جائے یہی وجہ ہے کہ جو کنویں سطح کے اعتبار سے دہ دردہ سے کم ہیں اُن کو وقوع نجاست سے نجس کہا جاتا ہے حالانکہ گہرائی کا اعتبار کیا جائے تو بہت سے کنوؤں کا پانی اتنا گہرا ہوتا ہے کہ اگر اُس کو معمولی حوض کی طرح پھیلا دیا جائے تو دہ دردہ سے بھی زیادہ ہو جائے۔

جن حضرات نے پانی کے جریان کا حوض کی تلی کی جانب سے اعتبار نہیں کیا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد اسی مسئلہ پر ہے کہ ماء کثیر میں اعتبار اوپر کے طول و عرض کا ہے عمق کا نہیں، تو عمق کی طرف سے جاری ہونے کا بھی اعتبار نہ ہونا چاہیئے۔

لیکن جب کہ علامہ شامیؒ وغیرہ کے بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عمق کا اعتبار نہ کرنا اس وجہ سے ہے کہ پانی کا استعمال عمق کی طرف سے نہیں ہوتا تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان حضرات کے زمانہ کے حوض حمام پر آجکل کی گھریلو حوضوں اور ٹنکیوں کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ان میں پانی کا استعمال حوض یا ٹنکی کے کناروں سے یا اوپر کی سطح سے مروج ہی نہیں۔

بلکہ عرفی طور پر اُن کا پانی تلی میں لگے ہوئے پائپ ہی کے ذریعہ استعمال ہوتا ہے، اس لیئے ان حوضوں اور ٹنکیوں میں اگر تلی کی جانب پانی بذریعہ پائپ جاری کر دیا جائے تو وہ بحکم آب جاری ہو جائے گا ھٰذا ما سنح لی واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
خادم دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۲۳ محرم سنہ ۱۳۸۰ھ

آلاتِ جدیدہ سے متعلق چند فتاوےٰ

(از امداد الفتاویٰ)

حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ سیدی مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے امداد الفتاوی میں ایک خاص حصہ کو جو حوادث الفتاویٰ کے عنوان سے جمع فرمایا ہے جس میں جدید پیش آنے والے مسائل کا جواب ہے۔ اس حصہ میں بہت سے مسائل آلاتِ جدیدہ کے متعلق بھی ہیں مناسب معلوم ہوا کہ اُن کو بھی اس کتاب کا جزو بنا دیا جائے۔ وھو ھٰذہٖ

تحقیق حکم مسمریزم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و ناصران شرع متین اس مسئلہ میں کہ علوم روحانی مثلاً علم مسمریزم علم تصور۔ علم مقناطیسی وغیرہ کی بابت شرع شریف میں کیا حکم ہے۔ جائز ہیں یا کہ ناجائز اگر جائز ہیں تو جزوی یا کلی۔ دلائل حوالہ حدیث شریف یا آیت مع خلاصہ تفسیر و تشریح کے تحریر فرمادیں۔

الجواب :۔ یہ عمل روحانی نہیں ہیں۔ نہ عملاً نہ اثراً۔ بلکہ دونوں طرح سے اعمالِ نفسانی ہیں۔ اور چونکہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ فعل مباح بھی اگر متضمن مفاسد کو ہو وہ غیر مباح ہو جاتا ہے اور یہ اعمال متضمن مفاسد کثیرہ اعتقادیہ و عملیہ کو ہیں جیسا تجربہ کار پر مخفی نہیں۔ اس لیئے بنا بر قاعدہ مذکورہ اُن سے ممانعت کی جاوے گی۔ اگر مفاسد کی تفصیل پر مطلع ہونا ہو تو زبانی سوال پر ظاہر کیئے

جا سکتے ہیں۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

زمین سے پانی دینے والے نل (ٹیوب ویل) میں نجاست گر جائے تو پاک کرنے کا طریقہ

سوال:- آج کل جو یہ آہنی نل جو کنوئیں کا کام دیتے ہیں ایجاد ہوئے ہیں اگر ان کے اندر کوئی شخص پیشاب وغیرہ ڈال دے تو آیا یہ ناپاک ہو جاتے ہیں یا نہیں اور پہلی شق پر ان کے پاک کرنے کی کیا صورت ہے؟

الجواب:- فی الدر المختار وینزح کل مائها الذی کان فیها وقت الوقوع بعد اخراجه الا اذا تعذر الیٰ قوله وان تعذر نزح کلها فیقدر ما فیها وقت ابتداء النزح قاله الحلبی ۲۱۸ تا ۲۲۰۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ نجاست کا واقع ہونا کنوئیں میں اس کو نجس کر دیتا ہے سو اس میں جب نجاست گرے گی ناپاک ہو جاوے گا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وقوع نجاست کے وقت جس قدر پانی ہو اس قدر نکال دینے سے وہ پاک ہو جاتا ہے اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ نل کے نیچے زمین میں سے پانی کی آمد ہوتی ہے تو کیا وہ ناپاک نہ ہوگا۔ بات یہ ہے کہ وہ پانی ایسا ہے جیسا متعارف کنوؤں میں بھی علاوہ بھرے ہوئے پانی کے اُبلنے والا پانی ہوتا ہے مگر چونکہ وہ فی البیر نہیں ہے اُس کا اعتبار نہیں اسی طرح جو پانی بالفعل اس آہنی کنوئیں کے اندر نہ ہو مگر بطور آمد کے نیچے سے بذریعہ مسامات ارض کے اُس کے اندر آجاتا ہو وہ معتبر نہیں البتہ اگر تجربہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ اس نل کی جڑ میں پانی مجتمع رہتا ہے تو اُس کو نجس کہیں گے اور تخمینہ سے جب اس قدر نکل جاوے کنواں پاک ہو جاوے گا۔ اور عبارتِ مذکورہ سے ایک اور بات

ثابت ہوئی کہ اگر اس آہنی کنویں میں ایسی نجس چیز گرجاوے جو نکل نہ سکے تو اسکا نکالنا معاف ہے پھر اُس میں دو صورتیں ہیں یا تو وہ چیز ذی نجاست ہے جیسے ناپاک لکڑی یا ناپاک کپڑا یا عین نجاست ہے جیسے مردار کی بوٹی۔ صورتِ اولیٰ میں بلا انتظار معاف ہے صرف پانی نکالنے سے پاک ہوجاوے گا۔ اور صورتِ ثانیہ میں اتنی مدت تک انتظار کریں کہ گمان غالب ہو کہ وہ مٹی ہوگیا ہو پھر پانی نکال دیں۔ فی الدر المختار بعد قولہ الا اذا تعذر کخشبۃ او خرقۃ متنجسۃ فی رد المحتار و اشار بقولہ۔ متنجسۃ الی انہ لابد من اخراج عین النجاسۃ میتۃ و خنزیر اھ ج قلت فلو تعذر ایضا ففی القہستانی عن الجواھر وقع عصفور فیھا فعجزوا عن اخراجہ فما دام فیھا فنجست فتترک مدۃ یعلم انہ استحال وصار حماۃ وقیل مدۃ ستۃ اشھر اھ جلد ۱ صـ ۲۱۹ء

جانور کو ذبح کرنیکا جدید طریقہ

سوال (از انگلستان از اخبار مدینہ بجنور یکم فروری ۱۹۱۷ء) خیال یہ پیدا ہو رہا ہے کہ جانور کو ذبح کے وقت بہت ہی کم تکلیف پہنچے اور ذبح کا کوئی ایسا طریق اختیار کیا جائے جس میں یہ امر حاصل ہوجائے۔ اس غرض کے لیئے ایک رائل سوسائٹی بنائی گئی ہے اور ذبح ہونے ولے جانوروں کو تکلیف سے بچانے کے لیئے ایک آلہ ایجاد کیا گیا ہے جس سے جانور کو بے ہوش کردیا جائے اور بے حسی کی حالت میں اس کو ذبح کیا جائے اگر کوئی مسلمان اس حالت کے بعد جانور کو اپنے طریق پر ذبیحہ کرے تو کیا ایسا جانور ذبح سمجھا جائے گا۔ جانور کے بے حس کیئے جانے سے جانور مر نہیں جاتا۔ اُس کی نبض

برابر قائم رہتی ہے اگر جانور مرجائے تو دل کی حرکت بند ہوجانے سے نبض بند ہوجائے گی اور خون کا حصہ جسم میں رہ جائے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ لہذا اسی حالت بے ہوشی میں ذبح کرنے والا شاہ رگ کو کاٹ کر خون خارج کرسکتا ہے ایسے جانور بھی ذبح ہوئے ہیں جو بذریعہ آلہ کئی منٹ تک بے ہوش پڑے رہنے کے بعد ذبح کیے گئے اور کافی خون نکلا۔

بہر حال استفتاء کی صورت یہ ہے آیا اگر کوئی جانور ذبح کرنے سے پہلے بے ہوش کر لیا جائے یعنی اس کو درد کا احساس نہ رہے اور اس کے بعد ذبح کیا جائے ایسی صورت میں کہ اس کے دل کی حرکت بھی قائم رہے اور نبض بھی اس کی چلتی رہے اور ذبح بھی اسلامی طریق پر کیا جائے تو کیا ایسا جانور ذبیحہ سمجھا جائے گا ممکن ہے کہ عنقریب یہاں (یعنی انگلستان) کا یہ قانون ہوجائے کہ کوئی جانور ذبح نہ ہو جب تک اس کو آلہ مذکور سے بے ہوش نہ کیا جائے اس امر کی ابھی پوری اطلاع نہیں کہ وہ آلہ کس قسم کا ہے اور اس کو کس طرح استعمال کیا جاتا ہے آیا اس سے جانور کے کسی حصہ پر ضرب لگائی جاتی ہے یا کسی منتشی چیز سے اسے بے ہوش کیا جاتا ہے؟

الجواب: یہاں دو مقام پر کلام ہے ایک یہ کہ ایسی حالت میں ذبح کرنے سے جانور حلال ہوگا یا نہیں سو چونکہ یہ فعل کسی شرط حلت کے منافی نہیں اور حیات پورے طور پر باقی ہے اس لئے جواب یہ ہے کہ جانور حلال ہو جاوے گا۔ فی الدر المختار ذبح شاة مريضة فتحركت او خرج الدم حلت والا لا ان لم تدر حياته عند الذبح وان علم حياته حلت مطلقاً وان لم تتحرك ولم يخرج الدم وهذا يتاتى فى منخنقة ومتردية ونطيحة والتى بقر الذئب بطنها فذكاة هذه الاشياء تحلل

وان كانت حياتها خفيفة و عليه الفتوى لقوله تعالى الاما ذكيتم من غير فصل فی ردالمحتار قوله فتحركت ای بغير نحو مد رجل و فتح عين مما لا يدل على الحيوة قوله او خرج الدم ای كما يخرج من الحی الى قوله عند الامام وهو ظاهر الرواية قوله و عليه الفتوى خلافا لهما ص ۳۰۱ ج ۵

دوسرا کلام یہ ہے کہ خود یہ فعل جائز ہے یا نہیں سو اس میں تفصیل یہ ہے کہ یہ دیکھنا چاہیے کہ اس آلہ سے آیا اُس جانور کے کسی حصہ پر ضرب لگائی جاتی ہے یا کسی نشہ آور چیز سے اُس کو بے ہوش کیا جاتا ہے جیسا کہ سائل نے اس میں تردد ظاہر کیا ہے اور غالب طریق ثانی ہے سو اگر ایسا ہے تو یہ فعل حرام ہے۔ اما طريق الاول فلما فی درالمختار مكروهات الذبح والنخع بلوغ السكين النخاع وهو عرق ابيض فی جوف عظم الرقبة وكره كل تعذيب بلا فائدة مثل قطع الراس والسلخ قبل ان تبرد ای تسكن من اضطراب فی ردالمحتار وقيل النخع ان يمد راسه حتى يظهر مذبحه وقيل ان يكسر عنقه قبل ان يسكن عن الاضطراب فان الكل مكروه لما فيه من تعذيب حيوان بلا فائدة هدايه ص ۲۸۸، ۲۸۹ ج ۵

واما الطريق الثانی فلما فی الدرالمختار وحرم الانتفاع بها ولو بسقی دواب ص ۲۲۴ ج ۵ -

اور اگر یہ دونوں طریقے نہیں بلکہ کسی مباح طریق سے اُس جانور کے حاسہ کو معطل کر دیا جاتا ہے تو وہ بھی دو وجہ سے ناجائز ہے۔ اوّل اس وجہ سے کہ قبل بے ہوش ہونے کے اُس کے حواس سالم تھے اور بعد بے ہوش ہونے کے حواس کا بطلان یقینی نہیں بلکہ ممکن ہے کہ اس آلہ سے حرکت باطل ہو جاتی ہو مگر حواس باقی ہوں اور بطلان حرکت بطلان

جس کو مستلزم نہیں ممکن ہے کہ اُس آلہ کا اثر مرفہ جوارح معطل کر دینے میں ایسا ہو جیسے کسی شخص کے ہاتھ پاؤں زور سے پکڑ کر اُس کا گلا گھونٹ دیا جاوے تو اس کو حرکت نہ ہوگی مگر احساس ہوگا پس پہلے سے ذی حس ہونا یقینی۔ اب زوالِ حس میں شک ہو گیا اور عقلی و شرعی قاعدہ ہے کہ الیقین لایزول بالشک پس بقاء حس کی صورت میں یہ آلہ زیادت تعذیب کا سبب ہوگا۔ اس لیئے ناجائز ہے اور خود حیوان متکلم نہیں جو اپنا حال بیان کر سکے اور انسان پر امتحان کرنے سے دھوکا نہ کھایا جاوے کیونکہ انسان اور بہائم کے بہت سے خواص باہم متفاوت ہوتے ہیں دوسرے اس وجہ سے کہ ایسا کرنے والا اس طریق کو طریق مشروع سے جس میں بے ہوش نہیں کیا جاتا یقیناً زیادہ مستحسن سمجھ کر طریق مشروع کو ناقص و مرجوح سمجھے گا۔ اور مخترع کو منصوص پر ترجیح دینا قریب بکفر ہے ان دو وجہ سے خود یہ طریق بدعت سیئہ و تحریف فی الدین ہونے کے سبب خلافِ شرع ہے پس ایسا قانون بنانا خلاف مذہب اسلام ہے۔ واضعان و حاکمانِ قوانین کو اطلاع دے کر درخواست کی جاوے کہ اہلِ اسلام کے لیئے ایسا قانون مقرر نہ کریں جیساکہ معاہدہ ہے۔

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

ہوائی جہاز میں مسافتِ قصر کی تحقیق

سوال: ہوائی جہاز میں اگر کوئی سفر کرے تو کتنی مسافت میں نماز کا قصر کرنا چاہیئے؟۔

الجواب: جس وقت احکامِ شرعیہ سفر کے متعلق موضوع ہوئے ہیں اُس وقت سفر فی البر و البحر و الجبل واقع تھا فی الہوا نہ تھا اور احکام تابع واقعات ہی کے ہوتے ہیں اس لیئے شریعت میں نصًّا یہ مسکوت عنہ ہے۔ لیکن شریعت میں

اس کی ایک نظیر وارد ہے پس اُس پر قیاس کر کے اس میں حکم دیا جاوے گا۔ اور چونکہ قیاس مظہر ہے نہ کہ مثبت اس لیئے اس حکم کو بھی حکم وارد فی الشرع کہا جاوے گا وہ نظیر یہ ہے کہ حج میں جو مواقیت متعدد ہیں اُن میں اہلِ نجد کے لیئے قرن مقرر فرمایا گیا ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوفہ و بصرہ فتح ہوا تو اُن لوگوں نے عرض کیا کہ قرن ہماری راہ سے ہٹا ہوا ہے اور وہاں جانے میں مشقت ہے تو آپ نے فرمایا کہ اُس کے محاذی مقام کو دیکھ لو چنانچہ ذاتِ عرق مقرر ہوا۔ رواہ البخاری۔

اور گو اس باب میں احادیثِ مرفوعہ بھی ہیں مگر اول تو وہ متکلم فیہا ہیں۔ دوسرے اس اجتہاد کے وقت حضرت عمر رضؓ کو اُس کی اطلاع نہ تھی تو اتنا تو ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضؓ نے اس میں اجتہاد سے کام لیا چنانچہ اسی جوازِ اجتہاد کی بناء پر ہمارے فقہاء نے فرمایا ہے کہ ومن کان فی بحر او بر لا یمر الا بواحد من المواقیت المذکورۃ فعلیہ ان یحرم اذا حاذی اخرہا ویعرف بالاجتہاد فان لم یکن بحیث یحاذی فعلی مرحلتین من مکۃ فتح القدیر۔ پس اسی طرح یہاں اس مسافتِ ہوائی کے محاذی کو دیکھیں گے کہ بحر ہے یا بر یا جبل اور اس محاذی کی مسافتِ قصر کو دیکھیں گے اور اسی کا اعتبار اس مسافتِ ہوائی میں کر کے اُس کے موافق حکم دیں گے احتیاطاً اس میں دوسرے علماء سے بھی رجوع کر لیا جاوے۔ ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

ٹیلیفون کے واسطے سے رویتِ ہلال کی شہادت

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر رویتِ ہلالِ عید کی خبر کسی معتبر شخص سے بذریعہ ٹیلیفون معلوم ہو تو عند الشرع

وہ معتبر سمجھی جائے گی یا نہیں ؟

(۲) اگر رمضان المبارک کے چاند کی خبر مذکورہ بالا طریقہ سے معلوم ہو تو معتبر مانی جائے گی یا نہیں ؟ـ

الجواب عن السوالین :- گو ان دونوں ہلالوں کی شہادت میں بعض احکام میں اختلاف یعنی تفاوت بھی ہے لیکن یہ شرط مشترک ہے کہ شاھد عدل یا مستور یعنی غیر معلوم الوصف ہو اور یہاں وہ خود غیر معلوم الذات ہے باقی آواز اول تو ٹیلی فون میں صاف پہچانی نہیں جاتی دوسرے اگر پہچانی بھی جاوے تب بھی آوازوں میں تشابہ ہوا کرتا ہے اور جو شرط ہے مجتب کے تعیین کی وہ کہ اس کے تکلم کے وقت دو معتبر شخص اس کو دیکھ رہے ہوں اور وہ اُس کو دیکھ کر کہیں کہ یہ متکلم فلاں شخص ہے اور یہ محتاج الی التعیین اُس وقت ان دونوں کو دیکھ رہا ہو) یہ یہاں ممکن نہیں لہذا یہ شہادت ٹیلیفون کے واسطے سے رمضان[عہ] یا فطر میں معتبر نہیں۔ فی الدر المختار جلد ۲ - للصوم مع علۃ کغیم و غبار خبر عدل او مستور علی ما صححہ البزازی علی خلاف ظاہر الروایۃ لا فاسق اتفاقاً الخ (فیہ جلد ۴) ولا یشھد علی محجب بسماعہ منہ الا اذا تبین القائل الی قولہ مع شہادۃ اثنین بانھا فلانۃ بنت فلان الخ قرب ۱۳۳۶ھ ـ

سوال :- ایک شہر کے مفتی یا دیندار عالم کے نزدیک رویتِ ہلال کا ثبوت بموجب شرع شریف کے ہوا اور وہ اس رویت کے ثبوت کی خبر دوسرے

عہ فیہ انہ لا یلزم لثبوت رمضان الشہادۃ الشرعیۃ بل یکفی خبر عدل والخبر علی التلیفون معتبر اذا عرف المتکلم وھو تفقہ فلیتفکر ۱۲ محمد شفیع

شہر کے مفتی یا دیندار عالم کو بذریعہ آلۂ ٹیلیفون کے کرے کہ جس میں خبر دہندہ و مخبر الیہ ایک دوسرے کی آواز کو اچھی طرح سنتے اور پہچانتے ہیں اور تکلم کے وقت غیر کا واسطہ بھی نہیں ہوتا اور مخبر الیہ کو اُس خبر کی تصدیق میں کسی طرح کا شک و شبہ بھی نہیں رہتا تو اُس خبر پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں اور صورت مسئولہ میں اور دوسرے قابلِ اعتبار ٹیلیفون کی ضرورت باقی رہی ہے یا نہ؟

الجواب:۔ ایک کلام تو خود طریق موجب میں ہے سو اس کا سوال مقصود نہیں دوسرا کلام ٹیلیفون کے واسطہ میں ہے اور یہی مقصود بسوال ہے سو اس کا جواب ظاہر ہے کہ جن احکام میں حجاب مانع قبول ہے اُس میں غیر معتبر ہے اور جن میں حجاب مانع نہیں اُس میں اگر قرائنِ قویہ سے متکلم کی تعیین معلوم ہو جاوے تو معتبر ہے۔ ۱۶؍ محرم ۱۳۳۸ھ

عورت کیلئے بحالتِ روزہ ربڑ کا حلقہ داخل بدن میں استعمال کرنا

سوال:۔ ایک ضروری مسئلہ اس وقت پیش آیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک عورت بوجہ امراضِ رحمی کے سخت بیمار ہے اور ضعف و ناتوانی بھی زیادہ ہے۔ حکیمی علاج بوجہ نہ ملنے ہوشیار دائی کے چھوڑ کر ڈاکٹری شروع کیا گیا۔ ڈاکٹری علاج میں جو مس ہوشیار ہے اُس کا علاج ہو رہا ہے۔ مس کہتی ہیں کہ بوجہ کجی رحم یہ شکایات ہیں سو رحم میں داخلاً اگر ربڑ کا حلقہ ماہ دو ماہ تک بذریعہ عمل بالید چڑھا رہے تو آرام ہو جائے گا اس پر اپنا تجربہ بتلاتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ رمضان شریف آ گئے اس حلقہ کے موجود ہوتے ہوئے جو کہ داخل اعضاء اندرونی ہے روزہ میں تو کچھ خرابی نہ واقع ہو گی اور اگر خرابی روزہ کی وجہ سے تا رمضان اس علاج کو موقوف رکھا جاتا ہے

تو مرض کی اور زیادتی ہو جاتی ہے آیا اُس حالت میں روزہ ترک کر کے علاجِ مذکور کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خود روزہ کی حالت میں یہ چھلّا چڑھانا مفسدِ صوم ہے لیکن اگر غیر حالتِ صوم میں چڑھایا ہوا حالتِ صوم میں داخلِ بدن باقی رہے تو اس سے روزہ میں کوئی خلل نہیں آتا۔ ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۳۲ھ

کسی شخص کو ملازم کہکر اپنے ساتھ بے ٹکٹ لیجانا

سوال:۔ ایک شخص کے پاس جو ریلوے کا ملازم ہے دو آدمیوں کا پاس ملا ہوا ہے۔ کیا ہر شخص جس کو وہ لے جانا چاہے لے جا سکتا ہے شرعاً کوئی جرم تو نہیں ہے جبکہ وہ یہ کہدے گا کہ یہ میرا آدمی ہے خواہ اس کا آدمی ہو یا نہ ہو۔ افسر ریلوے اس کو نہیں پکڑ سکتا ہے نہ کوئی جرم ہے۔ شبہ اس وجہ سے ہے کہ جب اُس کا خاص آدمی نہیں ہے محض دوست یا رشتہ دار ہے تو شاید شرعاً اس آدمی کو جانا جائز نہ ہو؟

الجواب:۔ واقعی جائز نہیں۔

مصنوعی آنکھ لگوانا جائز ہے

سوال:۔ زید نے بوجہ شدّت اضطراب مُقلہ عین نکلوایا۔ اب مصنوعی مُقلہ اُس کے مقام پر رکھوانا چاہتا ہے کیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں ہے۔ سونے کی ناک بنوا لینے کی اجازت جو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دی تھی مقلہ کو اُس پر قیاس کیا جا سکتا ہے یا نہ۔ عمرو کہتا ہے ناک کے عوض میں (جس کی اجازت آنجنابؐ نے دی تھی)، قوتِ شامہ نہیں ہوتی

اور مقلہ میں قوتِ باصرہ ہوتی ہے پس مقلہ کو اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور مقلہ بنانا تصویر بنانے کے حکم میں ہے۔ پس ناجائز ہے۔ کیا عمرو کا قول صحیح تو نہیں ہے؟

الجواب:۔ زید کا فتویٰ صحیح ہے اور محرّم سے سوال کیا جاوے کہ کیا مقلہ پر حیوانِ ذی روح صادق آتا ہے نیز مقلہ میں جو بصارت حیوانی ہوتی ہے آیا صانع مقلہ کی وضع کی ہوئی ہے یا جو بصارت مودعہ حی مخفی فی الدماغ ہے یہ مقلہ محض اس کا طریق ومحل ہے اوّل باطل ہے اور ثانی پر آنکھ بنانا یعنی قدرح بھی ناجائز ہوگا۔ واللازم باطل فکذا الملزوم۔ واللہ اعلم۔

نیز جو علت وعید تصویر کی آئی ہے کہ فیقال احیوا ما خلقتم اس پر نظر کرکے تب عضو میں مصوّر حیات پیدا کر سکے اس پر وعید نہ ہونا چاہیئے اور انف میں ہونا چاہیئے۔ قرب ۱۳۳۷ھ

نوٹ کے ذریعہ زکوٰۃ کی ادائیگی

سوال (۱) زکوٰۃ میں نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے یا نہیں اسی طرح دوسری رقوم واجب التملیک مثل فدیہ صوم وصلوٰۃ وغیرہ۔

الجواب (۱) چونکہ وہ مال نہیں محض سند مال ہے اس لئے نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ اور یہی حکم ہے دوسری رقوم واجب التملیک کا۔ بلکہ ان صورتوں سے زکوٰۃ وغیرہ ادا ہوجاتی ہے

(الف) یا تو خود مسکین کو نقد دے یا کوئی چیز از قسم مال اتنی قیمت کی دے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ غیر جنس سے بھی ادا ہوجاتی ہے۔ اور

(ب) یا مسکین کو نوٹ دیا اور اس مسکین نے اس کو نقد یا کسی جنس

کے بدلے فروخت کرکے اُس نقد یا جنس پر قبضہ کرلیا اب قبضہ کے وقت زکوٰۃ وغیرہ ادا ہوگئی اور اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوئیں مثلاً اُس مسکین کے پاس سے وہ نوٹ ضائع ہوگیا یا اُس نے اپنے قرض میں[۱] کسی کو دے دیا ان صورتوں میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ ۵ صفر ۱۳۳۷ھ۔

سوال (۲) اگر کسی مسکین کو زکوٰۃ وغیرہ میں نوٹ دے دیا اور اُس نے اس کا نقد یا جنس لے کر قبضہ کرلیا۔ مگر نوٹ لینے والے نے اُس نوٹ پر بٹہ لیا۔ مثلاً فی روپیہ ایک پیسہ اور اسی طرح اگر کسی مدرسہ میں دیا اور مہتمم نے اُس کو نقد کرکے کسی مستحق طالب علم کو دیا اور نقد کرنے کے وقت اسی طرح بٹہ لگا تو آیا زکوٰۃ میں پورا روپیہ ادا ہوا یا پیسہ کم روپیہ اور اگر اپنے روبرو ایسا نہ ہوا مگر معلوم ہے کہ جہاں نوٹ بھیجا ہے وہاں ایسا ہوا ہوگا تو احتیاط کی بات کیا ہے؟

الجواب (۲) اس صورت میں پیسہ کم روپیہ ادا ہوگا ایک پیسہ مثلاً اس شخص کو اور زکوٰۃ میں کسی مسکین کو دے دینا چاہیئے اسی طرح جب قرائن سے اپنے غیبت سے بٹہ لگنا معلوم ہو تب بھی فی روپیہ مثلاً ایک پیسہ اور بھی مسکین کو دے دے۔ ۵ صفر ۱۳۳۷ھ

وجوب زکوٰۃ بر نوٹ

سوال :۔ آجکل نوٹوں کا اس شدت سے رواج ہوگیا ہے کہ بعض مرتبہ مہینوں بھی روپیہ کی صورت دیکھنے کو نہیں ملتی۔ تنخواہ وغیرہ میں نوٹ ہی ملتے

---

[۱] جس کو قرض میں دیا تھا اگر اس نے اُس کے بدلہ نقد یا جنس پر قبضہ کرلیا تب بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی زکوٰۃ بالکل ادا نہ ہونے کا حکم صرف اسی صورت میں ہوگا کہ وہ نوٹ ضائع ہوجائے ۱۲ محمد شفیع

ہیں اور وہی صرف میں آتے ہیں۔

(۱) بنیئے فی نوٹ ایک پیسہ لے کر ریزگاری دیتے ہیں۔ یہ بٹہ دینا جائز ہے یا نہیں بصورتِ اثبات کیا اس کے لیئے بھی کسی شرعی حیلہ کی ضرورت ہے جیسا کہ روپیہ کی صورت میں کیا جاتا ہے کہ اُس کی ساتھ ایک پیسہ شامل کر کے دے دیا جاوے۔

(۲) اگر کسی کے پاس بقدر نصاب کے نوٹ جمع ہو جاویں تو حولان حول کے بعد زکوٰۃ نوٹوں پر واجب ہوگی یا نہیں۔ شبہ کا منشاء یہ ہے کہ نوٹ حقیقتاً چاندی یا سونا نہیں اگر یہ کہا جاوے کہ اجراء نوٹوں میں گورنمنٹ مقروض ہے اور قرض میں زکوٰۃ واجب ہے تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ گورنمنٹ قرضدار بے شک ہے لیکن گورنمنٹ نے نہ اس کا وعدہ کیا ہے نہ اُس کے ذمہ ہے کہ ایک روپے کے نوٹ کے عوض میں روپیہ ہی دے بلکہ اگر وہ چونسٹھ پیسے یا سولہ اکنی یا آٹھ دُوَنی جو چاندی کی نہیں ہوتیں دے دے تو لینے والا انکار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بڑی رقم کے نوٹوں کے معاوضہ میں گورنمنٹ چھوٹی رقم کے نوٹ دے سکتی ہے۔ اور چھوٹی رقم کے نوٹوں میں وہی پیسہ یا اکنی یا دوُنی والی صورت پیش آسکتی تو ایسی صورت میں اُس کی ایسی مثال ہوگی جیسے کوئی شخص کسی کا ایک لاکھ پیسوں کا مقروض ہو یا پچاس ہزار کانسی کی اکنی یا دونی کا مقروض ہو تو کیا ایسی صورت میں پیش آسکتی ہے تو ایسی صورت میں قرض خواہ کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۳) قیاساً علیٰ ذالک یہ جو اسی ہزار ٹکہ کا مہر بندھتا ہے اُن میں وقت ادائیگی مہر زوجہ کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیا فرق ہوا۔ امید ہے کہ جواب سے عزت بخشی جاوے دلیل کی ضرورت نہیں صرف جناب کی تحقیق

مطلوب ہے۔

الجواب :۔ اول ایک مقدمہ سمجھ لینا چاہیئے وہ یہ کہ حقیقت نوٹ کی کیا ہے سو حقیقت نوٹ کی یہ ہے کہ جس وقت اول ہیں روپیہ دے کر گورنمنٹ سے نوٹ لیا تھا گورنمنٹ اس روپیہ کی مقروض ہوگی اور نوٹ اس قرضہ کی سند ہے پس اصل حق مالک کا وہ روپیہ ہے اور آئندہ کسی کو نوٹ دینا اپنے اُسی قرضہ کا بذمہ گورنمنٹ حوالہ کردینا ہے اس سے سب سوالوں کا جواب ہو گیا۔ چنانچہ تصریحاً بھی لکھا جاتا ہے۔

(۱) یہ بٹہ دینا اور اسی طرح سے لینا جائز نہیں۔ کیونکہ حوالہ میں کمی بیشی جائز نہیں۔ اور اس حیلہ کا محل حوالہ نہیں بلکہ بیع ید ابید تقاضلا ہے جو یہاں نہیں۔

(۲) زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ اس کا اصل حق ہے اور یہ مثال اس لیئے غلط ہے کہ اُس میں اصل حق مال زکوٰۃ نہیں عروض ہے اور دوسری جنس سے ادا ہوجانے سے جو اشتباہ ہو گیا ہے سو وہ قرضہ کا غیر جنس سے بتراضی طرفین ادا کردینا صحیح ہے۔

(۳) اسی تقریر بالا سے ٹکوں کے مہر میں اور نوٹ کے بدل میں فرق ظاہر ہو گیا کہ مہر میں اصل سے ہی واجب ٹکے ہیں اور یہاں ایسا نہیں جیسا مذکور ہوا۔

نوٹ درحقیقت قرض کی ایک سند ہے

سوال :۔ گزارش اینکہ حسن العزیز کے جز مجالس الحکمۃ دار بعین مصطفائی، کی مجلس ششم میں دیکھنے سے نوٹ کا سند یال ہونا معلوم ہوا جس سے ایک شبہ ہوتا ہے جو تحریر خدمت کرتا ہوں امید کہ جواب با صواب سے مطلع فرمائیں

اور وہ یہ کہ مثلاً کسی شخص نے دوسرے شخص سے ایک سو روپیہ نقد قرضہ لیئے اور اُس کو ادا کرتے وقت سو روپے کا ایک نوٹ دیا اب وہ نوٹ اُس روپیہ لینے والے شخص کے پاس جل جائے یا اور کسی صورت سے ہلاک ہوگیا تو اب وہ شخص مدیون اس ادائے قرض سے بری ہوگیا یا کہ اُس کے ذمہ اور سو روپے ادا کرنے ہوں گے۔ بظاہر سرکاری قانون کے مطابق تو وہ روپے ادا ہوگئے کیونکہ سرکار نے نوٹ کو نفس مال قرار دیا ہے بنا برین اکثر واقعات سے مشاہدہ کیا گیا ہے کہ نوٹ جل گئے اور باوجود اُن کے نمبر موجود ہونے کے سرکار سے اُن جلے ہوئے نوٹوں کے روپے وصول نہ ہوسکے کیونکہ سرکار کے نزدیک اُس نفس نوٹ کا بتلانا ضروری ہے۔ خواہ وہ جلے یا پھٹے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں۔

الجواب:۔ جب جلے ہوئے نوٹ دکھلانے سے روپیہ مل جاتا ہے اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سرکار بھی نوٹ کو سند مال سمجھتی ہے۔ اگر مال ہوتا تو اگر کوئی کپڑا خریدے اور وہ جل جاوے تو اُس کو جلا ہوا دکھلا کر کیا کوئی شخص روپیہ لے سکتا ہے

۳۸ ھ

سوال ضمیمہ سوال بالا:۔ اور موافق قانون شریعت بوجہ نوٹ کو نفس مال یا حکم میں مال کے (کیونکہ وہ سند مال ہے) نہ قرار دیئے جانے کے وہ قرض لیئے ہوئے سو روپے ادا نہیں ہوئے جیسے کہ نفس نوٹ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اب اس امر میں تردد ہے کہ ضائع شدہ نوٹ (جو قرض میں دیئے گئے) کے سو روپے قرض میں ادا ہوئے یا نہیں؟

جواب ضمیمہ بالا:۔ چونکہ سند مال ہونے کی صورت میں یہ حوالہ ہے جو برضا محیل و محتال و محتال علیہ ہوتا ہے اور حوالہ میں مدیون بالکل بری ہوجاتا

ہے اس لیئے قرض ادا ہو گیا البتہ اتنا شبہ ضرور ہے کہ حوالہ میں درصورت توی ٔ دین عود کرآتا ہے تو آیا نوٹ کا ضیاع جزو توی میں داخل ہے یا نہیں۔ یہ شبہ مجھ کو پڑا ہے جس میں اب تک شفاء نہیں ہوئی اس کو علماء سے تحقیق فرمالیا جاوے

سنہ ۱۳۳۸ھ

نوٹ وغیرہ کے ذریعہ زکوٰۃ اداکرنیکا طریقہ

سوال:۔ زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں عموماً مرسل علیہ کو ڈاک خانہ سے نوٹ دیئے جاتے ہیں۔ نوٹ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ اس دشواری سے بچنے کے لیئے کیا صورت اختیار کی جاوے؟

الجواب:۔ میں ایسا کرتا ہوں کہ اُس مقام میں کسی کو وکیل بنا دیا کہ اس نوٹ کو نقد کرکے فلاں مستحق کو دے دو۔

سنہ ۱۳۳۸ھ

سوال:۔ زکوٰۃ کے منی آرڈر میں ڈاک خانہ کو نوٹ دیئے جا سکتے ہیں یا روپیہ ہی دینا ضروری ہے؟۔

الجواب:۔ دونوں یکساں ہیں زکوٰۃ ادا نہ ہونے کی شرط یہ دونوں صورتوں میں مشترک ہیں۔ تاریخ بالا۔

سوال:۔ جب مرسل علیہ کو عموماً ڈاک خانہ سے نوٹ ہی دیئے جاتے ہیں تو پھر بیمہ کیوں نہ کیا جاوے کہ اس میں فیس کی بھی کفایت ہے؟۔

الجواب:۔ ایسا ہی کیا جاوے مگر زکوٰۃ ادا ہونے کے لیئے نوٹ کا قبض کافی نہیں۔ تاریخ بالا۔

ے ضائع ہونا ۱۲

سوال :۔ گلٹ کے سکّے درحقیقت اُس قیمت کے نہیں ہیں جو اُن پر درج ہے اور یہ شرعاً مال ہیں اس لیئے یہ کسی قدر نوٹ کے مشابہ ہیں اور یہ بھی خبر ہے کہ روپیہ بھی گلٹ کا بنے گا اور یہ خبر میں نے خود اخبار میں دیکھی کہ چاندی کی گرانی کی وجہ سے پارلیمنٹ میں یہ طے ہو گیا کہ آئندہ اگر چاندی کے سکے بنائے جاویں تو ان میں صرف چھٹا حصہ چاندی کا شامل کیا جائے اس صورت میں بھی یہ سکے شرعاً مال نہ ہوں گے کیونکہ ان میں غش غالب ہو گا پھر ادائے زکوٰۃ میں اور بھی دشواری ہو گی براہِ کرم تفصیلی جواب مرحمت فرمائے جائیں کیونکہ مجھے ادائے زکوٰۃ میں ان امور سے بہت دشواری پیش آرہی ہے۔

الجواب :۔ غلبۂ غش سے ذہب یا فضہ ہونے کی نفی صحیح ہے نہ کہ مال ہونے کی۔ مال کی تعریف اُس پر صادق آتی ہے لہذا وہ مال ہے البتہ اگر زکوٰۃ غیر جنس سے ادا نہ ہوتی تو اس کا ذہب وفضہ نہ ہونا بھی مضر تھا مگر غیر جنس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ جب بازار میں اُس کی قیمت حق واجب کی برابر ہو اور یہ تساوی اس میں حاصل ہے لہذا زکوٰۃ میں کوئی دشواری نہیں جیسے پیسوں سے نقدین کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اور اگر ایسی ہی احتیاط ہو تو اور کوئی متقوم چیز خرید کر جیسے کپڑا یا غلّہ وہ زکوٰۃ کی نیت سے دیدے۔ ۸ شعبان ۱۳۳۵ھ

سینما دیکھنا جائز نہیں

سوال :۔ سینما (جس میں قصہ کے پیرایہ میں تصویریں مشین کے ذریعہ دکھائی جاتی ہیں) دیکھنے کا مجھ کو کچھ شوق ہے اور مقصود اس کے دیکھنے سے یہ ہوتا ہے کہ چونکہ تصاویر یورپ اور امریکہ کے مکانات اور اشخاص وغیرہ کی دکھائی جاتی ہیں اس لیئے ان تصاویر سے یورپ وامریکہ کے مذاق کا

پتہ چلے اور معلوم ہو کہ وہ لوگ اپنے مقاصد کو کس طرح حاصل کرتے ہیں فلہٰذا ارشاد ہو کہ کیا سینما میں دیکھ سکتا ہوں۔

از ناچیز .... سلام مسنون یہ سینما کا کھیل تصاویر متحرکہ کا تماشا ہے۔ اس سے پہلے ایک قسم کا باجہ بجایا جاتا ہے اس کے بعد بجلی کے ذریعہ سے تصاویر متحرک کی جاتی ہیں۔

الجواب: سینما میں جبکہ تصاویر محرمہ موجود ہیں اور شیئے محرم سے انتفاع اور تلذذ ناجائز ہونا معلوم پھر سوال کی کیا گنجائش ہے اور اس سے جو مقصود لکھا ہے اولاً مقصود کی مشروعیت طریق کی اباحت کو مستلزم نہیں پھر مقصود بھی کونسا ضروری ہے اور باجہ کا منضم ہونا اور بھی قبح کو بڑھا دیتا ہے۔ ۲ رجب ۱۳۳۹ھ

گمشدہ پارسل ڈاک یا ریلوے کا معاوضہ

سوال: دو ریلوے پارسل ریلوے کمپنی نمبر ۱ کے ذریعے سے فیروزپور بھیجے گئے اتفاقاً اُس شخص نے جس کے لیے وہ بھیجے گئے تھے نہیں لیے تو پھر کمپنی نمبر ۳ کو فیروزپور لکھا کہ وہ پارسل واپس کردو اُس نمبر ۳ کمپنی نے پارسل واپس کیے اور یہ لکھا کہ کمپنی نمبر ۱ سے اپنے پارسل لے لو جب کمپنی نمبر ۱ سے پارسل لینے گئے تو وہاں بجائے ۲ دو کے ایک ہی پارسل تھا اور ایک گم ہو گیا تھا۔ جب اُس سے بہت خط و کتابت کی۔ تو اُس نے لکھا کہ ہم نے کمپنی نمبر ۲ سے ایک ہی پارسل پایا۔ تم اپنے گمشدہ پارسل کا مطالبہ کمپنی نمبر ۲ سے کرو حالانکہ پارسل کمپنی نمبر ۳ نے گم کیا تھا۔ مگر کمپنی نمبر ۱ نے کمپنی نمبر ۲ کا غلط حوالہ دیا۔ بہر حال ہم کمپنی نمبر ۲ سے دو برس تک خط و کتابت کرتے رہے اُس نے کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا بلکہ وقت (اپنی غفلت اور لاپروائی سے) ضائع کیا۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قانوناً ہم کمپنی نمبر ا یا نمبر ۳ سے جو پارسل لانے اور لیجانے والی ہیں کسی قسم کا مطالبہ نہیں کر سکتے تھے اس لیئے ہم نے کمپنی نمبر ۲ الف اصل مالیت لمعہ ب اُس کے سود کی ج خطوط کے مصارف کی بحساب فی خط عہ نالش کر دی عدالت نے باوجود فریق ثانی کی سخت جد وجہد کے ہمارا کل مطالبہ تسلیم کر کے ڈگری دے دی اور اُس کی رقم سرکاری خزانہ میں کمپنی نمبر ۲ سے وصول کر کے داخل کر دی اور اب ہماری درخواست پر ہمیں سرکاری خزانہ سے وہ رقم ملے گی۔

دریافت طلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا نالش سے ہم اپنا روپیہ لے سکتے ہیں نیز سود کے نام کی رقم جو ایک حربی سے وصول ہوئی ہے اور جس پر پہلے گورنمنٹ مستولی ہوگئی ہے اور اسی طرح ا۔ کے خط کا عہ یہ سب جواب ہیں گورنمنٹ کے ہاتھوں سے ملے گا کسی طور پر ہم اُس کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

کمپنی نمبر ۲ کا وکیل یہ بھی کہتا تھا کہ جو روپیہ ہم نے تمہیں دلایا ہے یہ ہم کمپنی نمبر ا سے وصول کر لیں گے۔ سود کی رقم اس لیئے مجبوراً لگانی پڑتی ہے کہ عدالت سے پورا خرچہ نہیں ملتا اور خرچہ وصول کرنے کا سوائے سود کے اور کوئی حیلہ بھی نہیں ہے۔

تنقیح:- ابتداءً جسے پارسل دیا گیا تھا وہ کمپنی نمبر ا ہے اور اس کمپنی نے وہ پارسل کمپنی نمبر ۳ کے سپرد کیا پھر نمبر ۳ نے ہماری درخواست پر نمبر ا کو واپس کیا۔ یہ نمبر ا کی غلطی تھی کہ وہ ہمیں بجائے اس کے کہ یہ ہدایت کرتی کہ تم اپنا گمشدہ پارسل کمپنی نمبر ۳ سے لو یہ لکھدیا کہ نمبر ۲ سے لو ہم نے اسی تحریر کی بنا پر جسکی غلطی اب دورانِ مقدمہ میں ثابت ہوئی کمپنی نمبر ۳ سے مطالبہ کیا اُس کمپنی نمبر ۲ کا یہ فرض تھا کہ یہ ہم سے صاف کہدیتی کہ اس پارسل سے ہم کو کچھ

تعلق نہیں ہے بلکہ بجائے صاف جواب کے ہم سے ہمارے مال کا بل (حساب) مانگا جس سے ہمیں اپنے مطالبہ کے جائز اور وصول ہو جانے کا یقین ہو گیا۔ نالش کمپنی نمبر ۱ یا نمبر ۲ پر اس لیے نہیں ہو سکتی کہ نالش کے لیے چھ ماہ کے اندر ہونے کی شرط ہے۔ اب جبکہ دو برس محض کمپنی نمبر ۲ کی غفلت ولا پروائی سے گذر گئے اس لیے ہم نے اُس پر نالش کی غالباً باہمی تعلقات کمپنیوں میں یہ ہیں کہ ایک کمپنی دوسری کمپنی کے ٹکٹ یا پارسل کا لین دین بطور وکالت بلا اجر کے کرتی ہے۔ بطور اجر کے چند پیسے جو کبھی ایک آنہ سے زائد نہیں ہوتے جسے وہ حق تحریر کہتے ہیں۔

الجواب: ۔ اصل مصارف وصول کرنا جائز ہے اور خرچہ ضروری بھی اصل مصارف کے ساتھ ملحق ہے جن میں خطوط کے ٹکٹ بھی داخل ہیں اور سود لینا جائز نہیں نہ فی خط ۴ر لینا۔ البتہ اگر یہ خرچہ بدون عنوان سود کے وصول نہ ہو تو بقدر اُس کے بعنوان سود بھی وصول کر سکتے ہیں۔ زائد نہیں۔ اور حربی کا مال جو عقود فاسدہ سے مباح ہوتا ہے اُس میں اُس کی رضا شرط ہے اور استیلاء جو موجب ملک ہے وہ ہے جو بہ نیت تملک کے ہو اور یہاں استیلاء صرف مستغیث کے حق کی حفاظت کے لیے ہے لہذا حق سے زائد حلال نہ ہوئی۔ ۱۴ر شوال ۱۳۳۹ھ

مویشی خانہ سے خریدے ہوئے جانور کی قربانی!

سوال: ۔ مویشی نیلام شدہ کانجی ہاؤس کہ جو مالک کے پاس سے خواہ بطور آوارگی یا بذریعہ کانجی ہاؤس میں بند کی گئی ہے چوری کی تشریح یہ ہے کہ کوئی چور مویشی لایا۔ اور اُس نے کسی الزام سے بچنے کی غرض سے کانجی ہاؤس

میں کردی۔ گورنمنٹ مالک کو کسی ذریعے سے اطلاع نہیں دیتی۔ پندرہ روز کانجی ہاؤس میں رکھ کر اپنے اختیار سے نیلام کردیتی ہے اور اس کی قیمت خود سرکار رکھ لیتی ہے ایسے مشتری نیلام کو جائز ہے کہ وہ اُس مویشی کو قربانی کرے یا نہیں؟۔

الجواب:۔ ان دونوں حالتوں میں شرعاً قیمت کا تصدق واجب ہے خود رکھنا درست نہیں۔ جب بائع کی نیت قیمت خود رکھنے کی ہو اور مشتری کو معلوم ہو تو اُس کا خریدنا اعانت علی غیر المشروع ہے اس لیئے درست نہیں اور استیلاء کا مسئلہ یہاں غامض ہے ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ

تمت مسائل امداد الفتاوی

ٹیپ ریکارڈر مشین

پر

تلاوتِ قرآن کے احکام

ٹیپ ریکارڈ مشین جو حال میں عام ہوئی ہے اس کے ذریعہ ہر متکلم کی آواز کا ریکارڈ ایک ریل (ٹیپ) پر محفوظ کرلیا جاتا ہے پھر یہ ٹیپ ریکارڈ جب چاہیں مشین پر چڑھا کر وہی آواز سنی جاسکتی ہے جیسے گراموفون کے ریکارڈوں سے سنی جاتی ہے۔ گراموفون کی طرح یہاں بھی چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:۔

کاروبار یا دوسرے مشاغل میں لگے ہوں سننے کی طرف متوجہ نہ ہوں ورنہ بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔

(۳) ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ جو آیت سجدہ سُنی جائے اُس کا وہی حکم ہے جو گراموفون کے ریکارڈ کا کہ اس کے سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا کیونکہ سجدۂ تلاوت کے وجوب کے لیے تلاوت صحیحہ شرط ہے اور آلہ بے جان بے شعور سے تلاوت متصور نہیں۔

(۴) ظاہر یہ ہے کہ اس کے ریکارڈ میں بھی حروف قرآنی ایسی صورت سے نہیں لکھے جاتے جس کو پڑھا جا سکے اس کے نقوش کو قرآن نہیں کہا سکتا۔ اور اسی بنا پر اُس کا بلا وضو چھونا جائز ہے۔ جیسے گراموفون کے پلیٹ ریکارڈ کا چھونا بلا وضو جائز ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دار العلوم کراچی ۱۴

۵ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ

معجزہ کیا ہے؟ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ کی ایک تازہ ترین تصنیف

کیا آپ معجزہ کی حقیقت سے واقف ہیں؟ معجزہ اور بازیگری میں کیا فرق ہے؟ نبی آخر صلعم کے معجزات کو دوسرے انبیاء کے معجزات پر کیا فوقیت حاصل ہے؟ سائنسی ترقیات نے بالخصوص حضورؐ کے معجزات کو کس آسانی کیساتھ ثابت کردیا ہے؟ بہر لحاظ معیاری ہدیہ ۲۵/۱

آنکھ کی کہانی حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ

کا ایک منظوم شاہکار۔ تصوف و طریقت اور علمی اسرار و حکم کا ایک قیمتی خزانہ اور زبان و ادب کا زبردست گنجینہ بہر لحاظ معیاری قیمت صرف ۲۵/-

ہر دو کتب ملنے کا پتہ:۔ کتب خانہ قاسمی دیوبند (یو۔پی)

(۱) اس مشین پر ریکارڈ کرنے کے لیے قرآن کی تلاوت کرنا یا کوئی دینی وعظ و تقریر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اس کے ذریعہ تلاوت اور تقریر وغیرہ کا سننا کیسا ہے؟

(۳) اس پر اگر آیت سجدہ پڑھی جائے تو سننے والوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟

(۴) اس کے ریکارڈ جن میں قرآن کی تلاوت محفوظ ہو اُن کا ایسا ہی حکم ہے جیسا اُن اوراق کا جن پر قرآن کی کوئی آیت یا سورت لکھی ہو کہ اُس کو بلا وضو چھونا جائز نہیں یا اس کا حکم اُن سے مختلف ہے؟

الجواب

(۱) یہ مشین اپنی وضع اور عام استعمال میں کچھ گراموفون سے مختلف ہے کہ گراموفون کا استعمال عام طور پر لہو ولعب اور طرب کی مجلسوں میں تفریحِ طبع کے لیئے ہوتا ہے اس کی مشین کا یہ حال نہیں بلکہ عموماً اس کو مفید کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے کوئی شخص اپنی بد مذاقی سے گانے بجانے میں بھی استعمال کر لیتا ہو تو اُس کی وجہ سے اس مشین کو آلہ لہو ولعب کے حکم میں نہیں رکھا جا سکتا۔ جیسے گراموفون کہ عموماً لہو ولعب میں استعمال ہونے کے سبب اس کو آلاتِ لہو کے حکم میں سمجھا گیا ہے اس لیئے اس مشین پر تلاوتِ قرآن اور دوسرے مفید مضامین کا پڑھنا اور اس میں محفوظ کرانا جائز ہے

(۲) یہ بھی ظاہر ہے کہ جب اس میں پڑھنا جائز ہے تو سننا بھی جائز ہے شرط یہ ہے کہ ایسی مجلسوں میں نہ سُنا جائے جہاں لوگ اپنے